مثالی عزاداری کیسے منائیں؟

قال الصادق علیہ السلام:

"ان تلک المجالس احبہا۔ فأحیوا امرنا۔ فرحم اللہ من احیا امرنا"

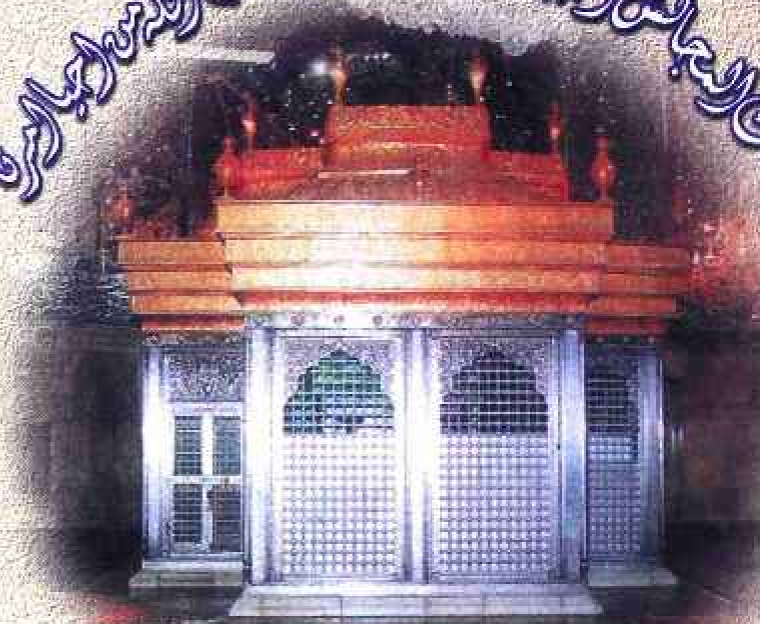

"ہم ان مجالس سے محبت کرتے ہیں، ہمارے امر (امامت، حکومت) کو زندہ کرو، خدا اس شخص پر رحم فرمائے جو ہمارے امر کو زندہ کرے"۔

تالیف
سید علی شرف الدین موسوی

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

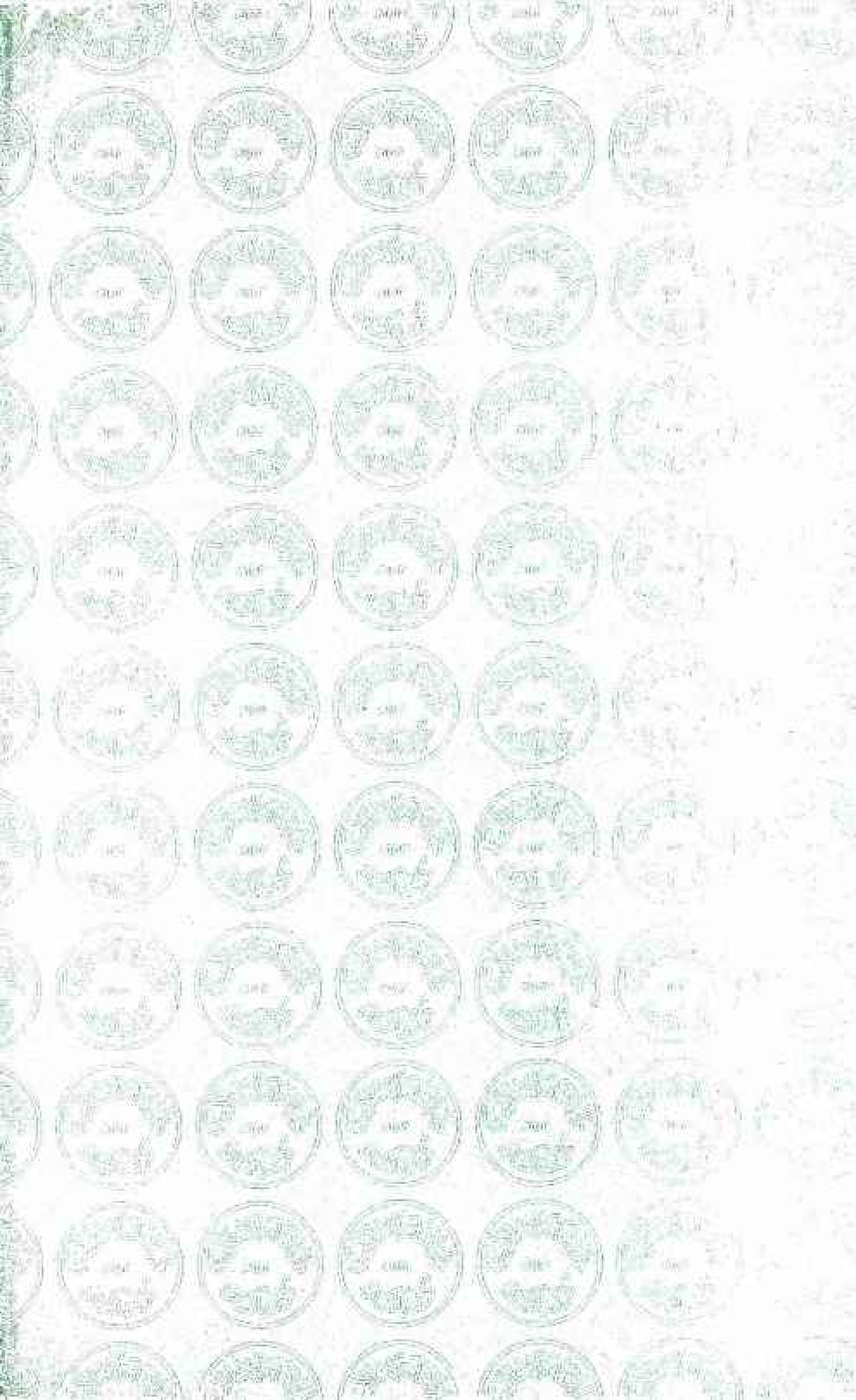

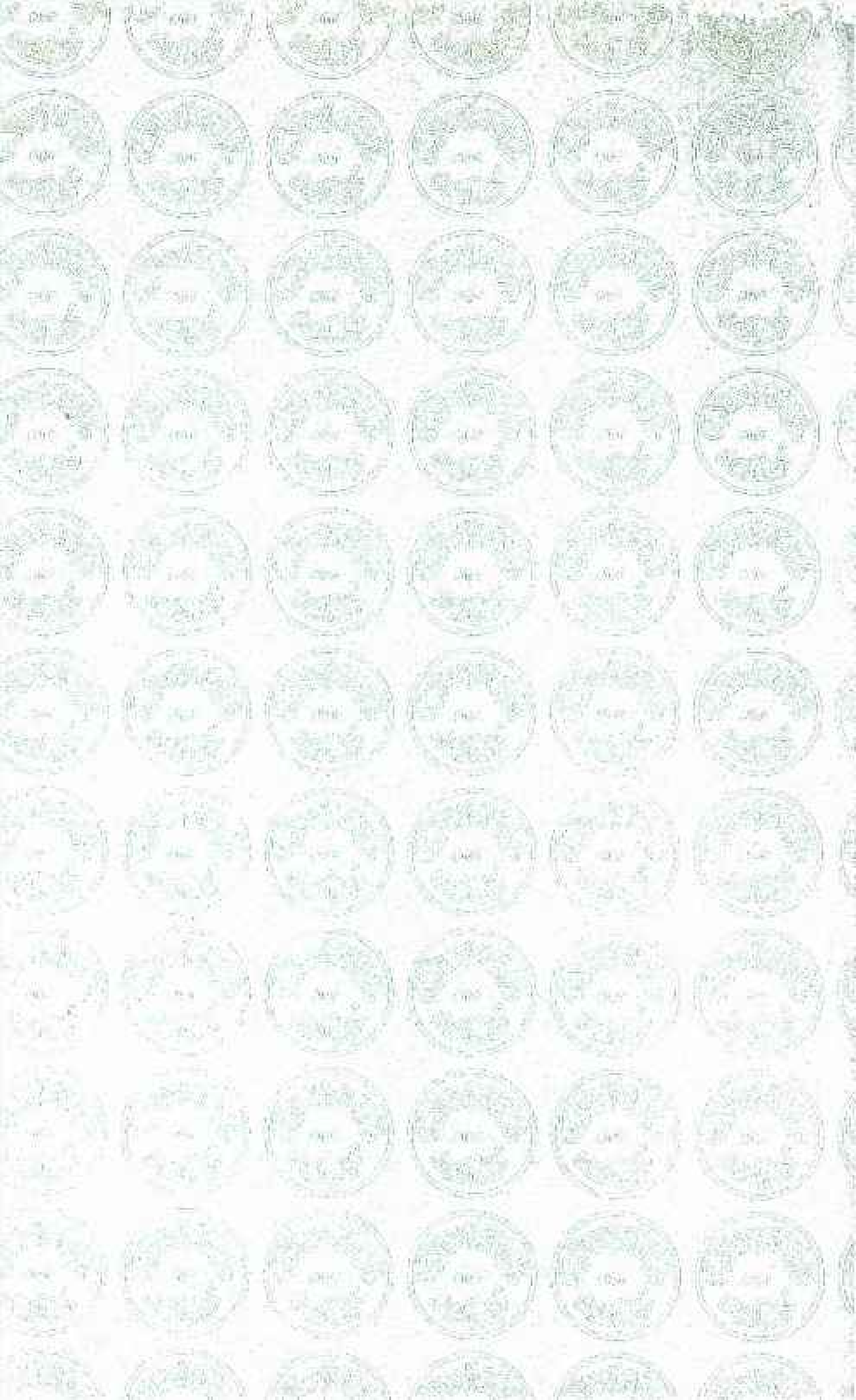

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Momineen Welfare Trust (R)
Shop No 11 M.L. Heights
Mirza Kaleej Baig Road
Soldier Bazar Karachi-74400, Pakistan

مثالی عزاداری

کیسے منائیں؟

ACC No.......................Date..........
Section.......................Status..........
D.D. Class.......................
NAJAFI BOOK LIBRARY

تالیف

سید علی شرف الدین موسوی علی آبادی

یکے از مطبوعات
دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان
۲ - جے - ۵/۴ ــــ ناظم آباد ــــ نمبر ۲ ــــ کراچی

حسن علی بک ڈپو
بڑا امام باڑہ کھارادر
کراچی پوسٹ کوڈ 74000
فون 2433055

ترتیب

پیش گفتار ________ ۵
مقدمہ ________ ۹
عزاداریٔ امام حسینؑ ________ ۱۹
تعزیہ داری ________ ۲۳
رنج و مصیبت اور تسلی و تشفی ________ ۲۵
عزاداری کے اہداف ________ ۳۹
عزاداری کے لئے بنیادی نکات ________ ۴۳
کیا عزاداری کو کسی اصول کا پابند کیا جاسکتا ہے ________ ۴۵
عزاداری اور ثابت و متغیر قوانینِ شریعت ________ ۴۷
عزاداری سلفیہ فرقے اور شیعہ عوام کے اجتہاد کے درمیان ________ ۵۱
عزاداری کے مختلف ادوار ________ ۵۵
عزاداری کے عناصرِ ترکیبی ________ ۶۳

عزاداری اور خطیب ـــــــــــــــ ۶۴
واقعہ کربلا کی حقیقت کو محفوظ رکھنا ـــــــــــــــ ۸۱
عزاداری اور تحریفات ـــــــــــــــ ۸۵
عزاداری اور خرافات ـــــــــــــــ ۹۷
شعائر الٰہی اور عزاداری ـــــــــــــــ ۱۰۱
عزاداری کے مراسم دین کی کمزوری کا سبب نہ ہوں ـــــــــــــــ ۱۰۹
عزاداری اور وحدت اسلامی ـــــــــــــــ ۱۱۱
عزاداری امام حسینؑ اور شبیہ سازی ـــــــــــــــ ۱۱۷
عزاداری میں اصلاح چاہنے والے ـــــــــــــــ ۱۴۱
اختتام احسن ـــــــــــــــ ۱۴۷
مصادر و ماخذ ـــــــــــــــ ۱۵۷

---☆---☆---

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش گفتار

"الحمد للہ الذی جعلنا من المتمسکین بالقرآن العظیم و بنبیہ و اھلبیتہ المعصومین' ثم الصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین و علی آلہ اجمعین۔"

عزاداری سید الشھداء کے بارے میں ناچیز کی یہ مختصر کوشش کوئی اختراع و ابتکار نہیں بلکہ دورِ قدیم سے لے کر عصرِ حاضر تک کے مایہ ناز شیعہ فقہاء' علماء و مفکرین کی آراء و نظریات کے خلاصہ پر مشتمل ہے۔

ایک عرصہ سے علماء کے یہ نظریات اور اصلاحِ عزاداری کے سلسلہ میں ان کی خواہشات عوامی شور و غوغہ اور سیاست کے نشیب و فراز کی وجہ سے منظرِ عام پر نہیں آ پا رہی تھیں۔ لیکن گزشتہ برس ولیِ امرِ مسلمین حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای کے پیغامِ محرم کے سبب (جس میں انہوں نے عزاداری میں در آنے والی مزاح اور ہتک کا سبب بننے والی رسومات کے خلاف آواز بلند کی تھی) علماء و فقہا کے ان افکار و خیالات کو منصہ شہود پر آنے کا موقع نصیب ہوا۔

کیونکہ مذہبِ تشیع کی بقا و دوام قرآن و سنت کے بعد فقہا کے اجتہاد سے وابستہ ہے۔ لہٰذا عزاداری سے بھی جو بقول امام خمینیؒ ہمارا سب کچھ ہے اور علماء و دانشور بھی فرماتے ہیں کہ ہماری شہ رگِ حیات ہے' لاپرواہی برتنا' اسے ایسے ہی چھوڑ دینا دانشمندی نہیں بلکہ مذہب کو نقصان پہنچنے کا موجب ہے۔ چنانچہ اسے ہمیشہ طبیبِ حاذق' علماء و مفکرین کے زیرِ نظر ہونا چاہئے۔ انہیں ہمیشہ اس کا نگراں و نگہبان ہونا چاہئے۔

ہم نے اپنی اس ناچیز کاوش میں عزاداری کی موجودہ صورتحال کی جانب اربابِ دین و دانش کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔ ساتھ ہی انتہائی عاجزی کے ساتھ بعض اصلاحات بھی تجویز کی ہیں۔ ہم اس سلسلہ میں ہر قسم کی کوتاہی یا غلطی کی نشاندہی کرنے والے حضرات کے مشکور ہوں گے۔

●

حالِ حاضر میں ہماری مثال اس سرمایہ دار کی سی ہے' جو انتہائی ثروت مند ہونے کے باوجود اس دولت سے اپنی مشکلات رفع نہیں کرسکتا اور سخت مصائب و آلام میں زندگی کے دن پورے کرتا ہے۔ شیعیانِ اہلِ بیتؑ عزاداریٔ امام حسینؑ جیسا عظیم سرمایہ ہونے کے باوجود اجتماعی' سیاسی' اقتصادی میدانوں میں مشکلات کا شکار ہیں اور اس کی وجہ اس عظیم سرمایہ سے بے توجہی اور اسے یوں ہی چھوڑ دینا ہے۔

ہم نے عزاداری کو عوامیت کے سپرد کردیا ہے' عامۃ الناس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں اسے مناتے ہیں' جو ان کا دل چاہتا ہے وہ اس کے نام پر بپا کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم علماء' مفکرین' دانشوروں اور مذہب کے

لئے دلسوزی رکھنے والے مومنین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ایسے ادارے قائم کریں جو وقتاً فوقتاً علمی مذاکروں کے انعقاد کے ذریعہ عزاداری سے بھرپور استفادے اور اس کے زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ کے لئے تجاویز مرتب کریں۔

آخر میں ابی عبداللہ الحسینؑ کے تمام عقیدت مندوں، جانثاروں اور بالخصوص تمام انبیاء و مرسلین کے وارث مہدیؑ آلِ محمدؐ سے التماس ہے کہ اپنے لطف و کرم سے میری غلطیوں کی اصلاح فرمائیں اور بیش از بیش توجہات مرحمت فرمائیں۔ اگر یہ ناچیز کاوش بارگاہِ ایزدی میں شرفِ قبولیت پائے تو میں اسے اپنے والدین، علماء، شہداء اور تمام مومنین و مومنات کی مغفرت کے لئے ہدیہ کرتا ہوں۔

علی شرف الدین موسوی علی آبادی

۲۹ ر ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

---☆---☆---

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مثالی عزاداری کیسے منائیں ؟

تالیف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سید علی شرف الدین موسوی

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔دار الثقافۃ الاسلامیہ پاکستان

طبع اول۔۔۔۔۔۔۔۔۔محرم الحرام ۱۴۱۶ھ۔جون ۱۹۹۵ء

طبع چہارم۔۔۔۔۔۔۔۔محرم الحرام ۱۴۲۲ھ۔اپریل ۲۰۰۱ء

مقدمہ

انسان کی سعادت و کمال علم و معرفت سے وابستہ ہے۔ اسی طرح شقاوت و بدبختی جہل کی بنا پر ہے۔ چنانچہ استادِ فلاسفہ سقراط کا کہنا ہے کہ :

"کوئی علم نہیں جس میں فضیلت و سعادت نہ ہو اور کوئی ایسی فضیلت نہیں جو علم کے ہمراہ نہ ہو۔ اسی طرح کوئی جہل نہیں جس میں رذالت نہ ہو اور کوئی رذالت نہیں جس میں جہالت نہ ہو۔"

(صوت العدالت انسانیہ، جارج جرداق۔ ص ۵۹۱)

اسی طرح امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا۔

"اگر خداوندِ متعال نے کسی کو ذلیل کیا تو اسے علم سے محروم کیا، علم ہی وہ دین ہے جو اپنایا جاتا ہے، علم ہی دین کی دیانت کا مجسم ہے، علم زندگی کا ایک حصہ ہے۔ سب سے کم قیمت انسان سب سے کم علم آدمی ہے۔"

حضرت ختمی مرتبتؐ پر نازل ہونے والی پہلی وحی بھی حصولِ علم و معرفت کے حکم پر مشتمل تھی "اقرا باسم ربک الذی خلق"

علم و معرفت کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر ثقۃ الاسلام شیخ یعقوب کلینی نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "اصولِ کافی" کا آغاز "بابِ عقل و جہل" سے کیا اور اس باب میں علم و عقل اور شرک و جہل کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ جب کبھی علم و معرفت کو غلبہ حاصل ہوا تو اس نے انسانیت کو سعادت و نیک بختی سے ہمکنار کیا ہے اور اگر کبھی جہل و شر غالب ہوئے ہیں تو انسانیت کو شقاوت و بد بختی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

جب یہ بات ثابت ہے کہ علم ہی کو انسانی سعادت اور کامیابی میں بنیادی مقام حاصل ہے تو ہمیں سب سے پہلے منبع و سرچشمۂ علم سے آشنائی حاصل کرنی چاہئے۔ یعنی ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اس گوہرِ بے بہا "علم" کا منبع و ماخذ کہاں ہے۔

علم و دانش کے میدان کے شہسواروں نے' اس سمندر کے غواصوں نے' اس عالمِ بے کنار کے سیاحوں نے اپنی سعیٔ جمیل کے بعد علوم و معرفت کے چار منابع و ماخذ کا ذکر کیا ہے اور انہی بنیادوں پر علم کو تقسیم کیا ہے۔

(۱) علومِ عقلی (۲) علومِ تجربی (۳) علومِ نقلی (۴) علومِ وحی۔

(۱) علومِ عقلی

یہ وہ علوم ہیں جن کا حصول تفکر و تدبر' غور و خوض سے ممکن ہے۔ ان کے لئے کسی آزمائش گاہ میں جانے یا کسی استاد کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے مبدائے وجود کا علم' قوانینِ علت و معلول' اثر کو دیکھ کر موثر کا یقین ہو جانا' انسانی جسم میں ایک نامرئی وجود "روح" پر ایمان لانا وغیرہ۔

(۲) علومِ تجربی

یہ وہ علوم ہیں جو آزمائش گاہوں میں مشاہدے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تجربے کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں۔

(۳) علومِ نقلی

یہ وہ علوم ہیں جو سینہ بہ سینہ آباء و اجداد کے ذریعہ یا کتب کے ذریعہ نقل ہو کر لوگوں تک پہنچتے ہیں۔ جیسے تاریخی حوادث اور اسلاف کے قصے و کارنامے وغیرہ۔

(۴) علومِ وحی

یہ وہ علوم ہیں جو خدا کی جانب سے اپنے منتخب بندوں "انبیاءؑ" پر نازل ہوتے ہیں اور پھر ان کے توسط سے انسانیت کو منتقل ہوتے ہیں۔

بعض حکماء، مفکرین اور دانشوروں نے انسانی زندگی کے عروج و صعود کو محض علومِ عقلی سے وابستہ قرار دیا لہٰذا وہ گوشہ تنہائی میں بند کمروں میں بیٹھ کر کائناتی مسائل پر غور و فکر میں غرق رہے اور اس کے نتیجے میں انسانیت کے لئے چند اصول اور کچھ کلیات ہی پیش کر سکے۔ لیکن عملی زندگی میں علومِ تجربی سے حاصل ہونے والی معلومات اور فوائد سے خود بھی محروم رہے اور لوگوں کو محض علومِ عقلی کی جانب متوجہ رکھ کر ان کے لئے بھی اس سے استفادے کی راہ میں رکاوٹ رہے۔

اس کے مقابل بعض دانشوروں نے صرف حس و تجربے کو قابلِ اعتنا سمجھا وہ تجربے کی میز پہ نہ آسکنے والی اشیاء اور غیر محسوس موجودات کے وجود کو یکسر مسترد کرکے ماوراء مادہ' روحانیت اور معنویات کے حقائق سے محروم رہے۔ وہ ہمیشہ مادے اور مادی اشیاء کی حقیقت کے قائل رہے۔ لہٰذا چونکہ مادہ مسلسل تغیر و تبدل کی حالت میں ہوتا ہے اس لئے وہ بھی دگرگونی' اضطراب اور پریشانی کے عالم میں رہے۔ اس عقیدہ کے حامل لوگوں کو زندگی میں سکون و اطمینان میسر نہیں۔ وہ آسودگی کی عظیم نعمت سے محروم ہیں۔

تیسرا گروہ جو صرف علومِ نقلی پر اکتفا کرتا ہے' عقل کو جو مصدر و مرجع علوم و معرفت ہے اور علومِ تجربی کو مردود و ناچیز قرار دے کر خود کو علوم و معارف کے ایک بڑے حصے سے محروم کرلیتا ہے۔

اسلام اپنے ماننے والوں کو علم و معرفت کے ان تینوں ماخذ سے فیضیاب ہونے سے نہیں روکتا۔ یہ دین حصولِ علم کی راہ میں کسی حد اور دیوار کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ علومِ نقلی اور تاریخی حقائق کو بھی تسلیم کرتا ہے۔ محسوسات اور تجربے سے آگے بڑھ کر ماوراء مادہ اور روح پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ لیکن اس کی نظر میں علم کی اصل بنیاد اور مفتاح العلوم "وحی" ہے۔ وحی کو عقل کو صیقل کرنے والی اور اس کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے والی کسوٹی قرار دیتا ہے۔

مسلم علماء' دانشور اور مفکرین ان تمام مصادرِ علوم سے متمتع ہونے کی بنا پر اصل سرمایہ علوم کے لحاظ سے بھی غنی ہیں اور ظاہر ہے ان سے حاصل ہونے والے فراواں نتائج سے بھی بہرہ ور رہیں۔

خود اسلام میں موجود مختلف فرق و مکاتیب میں علوم و فنون اور مصادرِ علمی

کے لحاظ سے مکتبِ تشیع سب سے زیادہ غنی و بے نیاز ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اس کی سربراہی ایک ایسے معصوم پیشوا کے ہاتھ میں رہتی ہے جو علمِ لدنی و موہوبی کا مالک ہوتا ہے۔ تشیع کے پیشوائے اوّل کو خود رسولِ مقبولؐ نے بابِ شہرِ علم قرار دیا ہے، تشیع ہی کے ائمہ کئی مکاتبِ فقہی کے پیشواؤں کے استاد رہے ہیں۔

دیگر مکاتب کے مقابل مکتبِ تشیع کی علمی برتری کی دوسری وجہ یہاں بابِ اجتہاد کا کھلا رہنا ہے، جب کہ دوسرے مذاہب نے اسے ایک عرصے سے بند کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس موجود علوم و معارف کی حیثیت اخبار و نقول کی سی ہے جن پر تحقیق کے دروازے بند ہیں۔ جب کہ مذہبِ تشیع میں علوم و معارف، مسائل و مصادر میں اب بھی اجتہاد جاری ہے۔

چنانچہ ادیان و مذاہب پر ریسرچ کرنے والے مغربی اسکالرز کا کہنا ہے کہ:

"شیعیت مسلمانوں کا دوسرا بڑا فرقہ ہے۔ لیکن چودہ سو سال سے مسلسل حکمرانوں کے زیرِ عتاب رہنے کے باوجود اب تک اپنی اجتماعی، دینی اور علمی حیثیت کو محفوظ رکھے ہوئے ہے۔ اگر ہم اس کے دوام و بقا کے علل و اسباب تلاش کریں تو یہ درج ذیل تین اسباب ہیں۔

☆ شیعہ ہمیشہ ایک معصوم امام پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ امام ان کی نظروں سے اوجھل ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس سے اپنی امیدیں وابستہ رکھتے ہیں۔ اور اسی امید پر مظالم و مصائب، ظلم و تعدی برداشت کرتے ہیں۔

☆ شیعیت کی بقاء کا دوسرا اہم سبب اجتہاد ہے۔ دوسرے مذاہب نے

اجتہاد کو بند کیا ہے۔ لیکن مکتبِ تشیع میں اب تک دروازۂ اجتہاد کھلا ہوا ہے۔ اس مکتب میں اجتہاد کا جو تصور ہے وہ دوسرے مکاتب سے یکسر مختلف ہے۔ دوسرے مذاہب کے یہاں اجتہاد کا تصور نص کے مقابل رائے ہے۔ جب کہ تشیع میں اجتہاد کا مقصد نص کی جانچ، پرکھ اور اس سے معنی و مفہوم اخذ کرنے کے لئے انتہائی عرق ریزی اور اپنی بہترین مساعی کو کام میں لانا ہے۔

شیعہ اس اجتہاد کی ضرورت پر ان آیاتِ قرآن سے استدلال کرتے ہیں جن میں تفکر و تدبر پر زور دیا گیا ہے (افلا تعقلون - افلا تذکرون-افلا تتدبرون) شناخت و معرفت کے لئے حس و تجربہ کو کام میں لانے کے لئے "قل سیرو فانظرو" والی آیت اور اپنے ائمہؑ کی ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں اجتہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ شیعہ روایات نقل کرنے میں بھی اجتہاد کرتے ہیں۔

★ شیعیت کو باقی رکھنے والی تیسری چیز "عزاداریِ امام حسینؑ" ہے۔ جسے وہ تقریباً ۱۴۰۰ سال سے امام حسینؑ کی یاد میں منعقد کرتے ہیں۔ عزاداری کے اجتماعات کے توسط سے اپنے ہم مسلکوں (اور غیروں) کو مذہب کے حقائق و دقائق سے روشناس کراتے ہیں۔"

مذکورہ اظہارِ خیال کے مطالعہ کے بعد یہ تاسف انگیز سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں کہ آخر وہ کیا وجہ ہے کہ ایسا مذہب جس کی شناخت علم و معرفت اور تحقیق و اجتہاد کے حوالہ سے ہے اس میں بعض خرافات کو در آنے کا موقع ملا؟

خاص کر عزاداری جو بلاشبہ اس مکتب کی شہ رگ ہے' جو اس کی بقا کے عوامل میں سے ہے کیوں سب سے زیادہ خرافات کی ان موجوں میں گھر گئی؟ کیوں عزاداری میں اجتہاد و تحقیق کے دروازے بند کر دیئے گئے؟ اور کیوں علماء و محققین نے عزاداری کو محض برقرار رکھنے پر اکتفا کیا اور اس کے مصادر و ماخذ اور اس کے طریقۂ انعقاد میں اجتہاد و تحقیق اور اسے خرافات سے محفوظ رکھنے اور اسے مفید تر بنانے کے سلسلہ میں تگ و دو سے اجتناب کیا اور آج تک اس سلسلہ میں قدم اٹھانے سے گریزاں ہیں؟

اگرچہ صورتحال کا جائزہ ہمیں ان اسباب و عوامل سے روشناس کراتا ہے جو عزاداری میں تحقیق و اجتہاد کے سلسلہ میں علماء و محققین کے پیروں کی زنجیر بنے اور جن کی وجہ سے انہوں نے صرف عزاداری کی بقاء کی کوششوں پر اکتفا کیا لیکن ان اسباب و علل کو بنیاد بنا کر اس سلسلہ میں تحقیق و اجتہاد اور خرابیوں کی اصلاح سے گریز کی کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ہمارے مکتب کی شناخت' عزاداری کے ذریعہ ہوتی ہے لہٰذا جس قدر عزاداری مذہبی اصول و اقدار کی تابع اور لوگوں کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت کی حامل ہوگی اسی قدر یہ مذہب کی بقا اور ترویج میں گہرے اثرات مرتب کرے گی۔

حالانکہ عزاداری کی موجود شکل بھی ہمارے مذہب کی بقا میں موثر رہی ہے۔ لیکن اگر اس میں تحقیق و اجتہاد کو دخل حاصل ہوتا تو عزاداری سے مذہب کو کہیں زیادہ فروغ ملتا' رونق و جلا ملتی اور دین کو غلبہ حاصل ہوتا۔

جن ضعیف عوامل و اسباب کی بنا پر علماء و محققین نے عزاداری کے طریقۂ انعقاد میں اجتہاد سے گریز کیا ہے ہم ذیل کی سطور میں انہیں بیان کرتے ہیں۔

عزاداری کو ہمیشہ بیرونی مخالفت کا سامنا رہا، ظالم و جابر حکمرانوں کی مخالفتوں کا نشانہ بنی رہی۔ وہ عزاداری کے خاتمے کے لئے مسلسل بہانے تلاش کرتے رہتے تھے۔ بسا اوقات مسلمانوں کے بعض فرقوں نے عزاداری کی حرمت پر فتویٰ دے کر انہیں جواز فراہم کیا۔ اور جب ان فرقوں سے تعلق رکھنے والوں کو حکمرانی کا موقع ملا تو انہوں نے عزاداروں سے اپنے بغض کا اظہار غیظ و غضب کا ہر حربہ آزما کر کیا۔ ان حالات میں علماء نے ان حکمرانوں کے ظلم و ستم سے محفوظ رہنے کے لئے تقیہ اختیار کرتے ہوئے عزاداری میں ہر قسم کی مداخلت سے پہلو تہی کی۔ گویا اسے اپنے کنٹرول و اختیار سے باہر ظاہر کیا۔

عزاداری میں علماء کی اس عدم مداخلت کے سبب دینی اصول و احکام سے ناآشنا عزادار رفتہ رفتہ خودمختار اور خود سر ہوتے چلے گئے اور عزاداری کے طریقوں میں ہر قسم کی اصلاحی مداخلت انہیں ناگوار محسوس ہونے لگی۔ حتیٰ اس سلسلہ میں انہوں نے بعض مواقع پر مجتہدین کے احکامات و فتاویٰ ماننے سے بھی انکار کردیا۔ اس طرح علماء و عزاداروں میں ایک طرح کی کشیدگی اور کھچاؤ نے جنم لیا۔

لہٰذا اس خوف سے کہ کہیں مکتب اہل بیتؑ کے پیروکاروں کے درمیان باہم پیکار و نزاع کی کیفیت پیدا نہ ہوجائے علماء نے عزاداری کی رسوم میں ہر قسم کی اصلاح و ترمیم سے گریز کیا۔

عزاداری کی اصلاح اور اس میں انحرافات کی روک تھام میں علماء کی ناکامی کی ایک اور وجہ دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہونے والے علماء کرام کی عزاداری کے اجتماعات سے دوری ہے۔ دینی مدارس اور حوزہ ہائے علمیہ میں فنِ

خطابت اور تقریر سکھانے کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا۔ تبلیغِ دین کا یہ اہم وسیلہ دینی مدارس کے نصاب میں شامل نہیں۔ جب کہ عزاداری میں بنیادی کردار خطابت اور خطیب کو حاصل ہے۔ منبر سے بیان کئے جانے والے مطالب و مفاہیم ہی عزاداری کی روح بنتے ہیں۔ خطیب ہی عزاداری کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ وہی اس کے مقاصد کے ترجمان ہوتے ہیں اور کیونکہ یہ لوگ کسی دینی درسگاہ سے فارغ التحصیل نہیں ہوتے' انہوں نے کسی عالمِ دین سے معارفِ دین کی تعلیم حاصل نہیں کی ہوتی' اس لئے ان کے ذریعہ اصولِ شریعت اور قوانینِ اسلام اور عزاداری کے اہداف و مقاصد کی تبلیغ کی توقع عبث ہے۔

الغرض عزاداری پوری کی پوری عوام الناس کے ذریعہ برپا ہوتی ہے' وہی اس کے منتظم ہوتے ہیں اور انہی میں سے بعض اس کے اجتماعات سے خطاب کرنے والے۔ آج گوکہ عزاداری کے انعقاد کے سلسلہ میں ماضی جیسی پابندیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا نہیں پڑتا لیکن اس کے باوجود نہ ہی علماء اس کی اصلاح و سرپرستی کے سلسلہ میں کوشاں نظر آتے ہیں اور نہ ہی عزادار ان کی رہنمائی و سرپرستی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں' انہیں عزاداری میں کسی قسم کی اصلاح و ترمیم گوارا نہیں۔ اس صورتِ حال نے عزاداری میں ہر قسم کی اصلاح و ترمیم اور بہتری کی راہوں کو بند کردیا ہے۔ نتیجے کے طور اس میں ایسی خلافِ شرع رسومات اور جھوٹی روایات کی روک تھام کی بھی کوئی صورت نظر نہیں آتی جو نہ صرف مقامِ اہلِ بیت علیہم السلام کے شایان شان نہیں بلکہ جو مکتبِ اہلِ بیتؑ کو کمزور کرنے اور اس کے ماننے والوں کی تضحیک کا سبب بنتی ہیں۔

عزاداریٔ امام حسینؑ

عزاداری انقلابِ حسینؑ کو ہمیشہ زندہ و تابندہ رکھنے کا نام ہے۔

عزاداری ہمیں اس سورما کی یاد دلاتی ہے جس نے تاریخِ جنگ و جہاد میں ایک نئے اور سب سے درخشاں باب کا اضافہ کیا۔

عزاداری استقامت، بصیرت، بیداری اور شعور کی درسگاہ ہے۔

عزاداری ہمیں انتہائی بدترین حالات میں، اعلیٰ کلمۂ حق کا حوصلہ عطا کرتی ہے۔

عزاداری دنیا بھر میں پھیلے ہوئے مجرمین اور ظالمین کے خلاف آواز بلند کرنے کا نام ہے۔

عزاداری مقابلے کے میدان کو آفاقیت دینے کا نام ہے۔

عزاداری روزِ عاشورا کو اس دن تک طول دینے کا نام ہے جب پوری کائنات پر حق کا غلبہ ہو۔

عزاداری ایک ایسی فکری، ثقافتی اور سیاسی میراث ہے جس سے تمام عالمِ انسانیت کو فیضیاب ہونا چاہیے۔

عزاداری دین میں داخل کیے جانے والے انحراف اور خرافات کے خلاف

ایک مسلسل جنگ ہے۔ کیونکہ اس کے ہیرو حسین ابنِ علیؑ نے خرافات ہی کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا۔

عزاداری دلیل و منطق کی پیروی کی تاکید ہے۔ کیونکہ حسین ابنِ علیؑ یزید کے خلاف دلیل و منطق کی طاقت سے لیس تھے۔ آپؑ کو اسی لئے فاتح قرار دیا جاتا ہے کہ اپنے اعوان و اصحاب اور خود اپنی جان سے ہاتھ دھونے کے باوجود آپؑ کی منطق سربلند رہی' آپ کی دلیل فتحیاب ہوئی۔ لہٰذا آج بھی عزاداری کو آیاتِ قرآن "ھاتو برھانکم' وادعو شہداء کم" پر مبنی ہونا چاہئے۔ اور عزاداری کے ذریعہ دین کو انحرافات سے پاک کرنا چاہئے۔

عزاداری ظالم اور جابر حکمرانوں کی طرف سے لوگوں کے ذہنوں میں بٹھائے گئے بے بنیاد خیالات اور جاہلیت کے آثار مٹانے کے لئے جدوجہد کا نام ہے۔

عزاداری اسلام کے سیاسی نظام میں داخل کی جانے والی خرابیوں کی اصلاح کی دعوت ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسی تحریک کی یاد دلاتی ہے جس کا مقصد ملوکیت کا خاتمہ اور خلافتِ اسلامی کو موروثی شہنشاہیت میں بدلنے سے روکنا تھا۔

عزاداری داعیانِ اسلام کو یہ سبق دیتی ہے کہ وہ نتائج کے حصول کی آس میں نہ رہیں' اسی کو کامیابی نہ سمجھیں بلکہ ان کا فریضہ اپنی ذمہ داری کی ادائیگی ہے۔

عزاداری محض امام حسینؑ اور ان کے اصحابؓ و اہلِ حرم کی مظلومیت پر گریہ وزاری کا نام نہیں بلکہ ان کی راہ کو جاری رکھنے کے اعلان کا نام ہے۔

حسینؑ کی راہ اسلام کی راہ ہے' لہٰذا عزاداری کے یہ اجتماع اس بات کا اعلان ہیں کہ اے حسینؑ! ہم آپؑ کے ساتھ اسلام کے دفاع کے لئے حاضر

ہیں۔

امام حسینؑ کی تحریک "میکیاولی اندازِ سیاست" کے خلاف تھی۔ جس کے بانی بنی امیہ اپنے اقتدار کے دوام کے لئے ہر قسم کی خیانت' کذب' فریب' دھونس ودھاندلی' نفاق ودورخی کو جائز سمجھتے تھے۔

امام حسینؑ کے سامنے ایک اوباش' دین سے منحرف اور انتہائی نااہل شخص خلیفۃ المسلمین' نائب رسولؐ کی حیثیت سے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے کرسیٔ اقتدار پر متمکن تھا۔ امامؑ کیونکہ اسے اس منصبِ جلیلہ کا سزاوار نہیں سمجھتے تھے اس لئے آپؑ نے اس کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر عزاداروں کا واسطہ ایسے حکمرانوں سے پڑے جو اس منصب کے لئے نااہل ہوں' اخلاق باختہ ہوں' برملا شعائرِ اسلامی کا مذاق اڑاتے ہوں' ظلم و جبر روا رکھے ہوئے ہوں تو کیا وہ انہیں برداشت کریں گے؟ ایسے لوگوں کو کرسیٔ اقتدار پر دیکھنا گوارا کریں گے؟

عزاداری انسان میں ظلم وجبر سے مقابلہ کے لئے توانائی پیدا کرنے کا ایک عمل ہے۔

عزاداری نیم مردہ نفوس' زمین پر پڑے ہوئے بے حس وحرکت انسانوں کو نیا شعور' نیا عزم' نیا احساس اور نئی بیداری عطا کرنے کا عمل ہے۔

عزاداری کے قیام وبقاء کی تاکید اس لئے کی گئی ہے تاکہ انسان میں ذاتی انانیت اور انفرادی مفادات سے بلند ہوکر دین وملت کی مصلحتوں کی خاطر دشواریاں جھیلنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔

عزاداری نظریہ' تدبیر اور منصوبہ بندی کے مراحل طے کرنے کے بعد

میدانِ عمل اور میدانِ مبارزہ میں داخل ہونے کا سبق دیتی ہے۔

عزاداری کی حقیقت' اہمیت اور افادیت بنی امیہ' بنی عباس اور عثمانی حکامِ جور بخوبی جانتے تھے اسی لئے اس کے مزاحم رہے' اسے روکنے کی کوشش کی۔ دورِ حاضر کے اسلام دشمن بھی کیونکہ اسے روکنے میں ناکام رہے ہیں اس لئے وہ اس سے اس کی روح نکالنے پر کمربستہ ہیں۔

اب ہم یہ فیصلہ عزاداروں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ عزاداری کے اجتماعات' ان میں شریک ہونے والوں کے خیالات' ان میں بیان کئے جانے والے مضامین اور اس کے ذریعہ مقصدِ حسینؑ کی پیشرفت کا جائزہ لے کر جواب دیں کہ کیا یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب رہے ہیں---------یا ناکام ہیں؟

تعزیہ داری

تعزیہ داری اگرچہ ہمارے یہاں خاص انداز کی عزاداری کو کہا جاتا ہے، لیکن یہ دراصل اس گریہ وبکا کا نام ہے جو مخدراتِ عصمتؑ سے اس وقت صادر ہوا جب میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کی شہادت کے بعد آپؑ کی خالی سواری خون آلود حالت میں خیمہ گاہ میں پہنچی اور بی بیاں بے اختیار واحسینا کی صدائیں بلند کرتی ہوئی خیمہ گاہ سے نکل کھڑی ہوئیں۔

درحقیقت آج تک اگر واقعہ کربلا ہمارے درمیان زندہ ہے، امام حسینؑ کی قربانی کی یاد تازہ ہے، تو وہ اسی تعزیہ داری کے طفیل ہے۔ اس واقعہ کو تعزیہ داری اور گریہ وبکا کے ذریعہ زندہ رکھنا معصومینؑ کا ایک مدبرانہ اقدام ہے۔

گریہ و ماتم، تعزیہ داری بغیر کسی مقصد کے یوں ہی اوقاتِ فراغت کے واسطے وجود میں نہیں لائی گئی بلکہ اسے ایک الٰہی وظیفہ اور شرعی فریضے کے طور پر وضع کیا گیا ہے۔ تعزیہ داری محض سیاہ پوش ہونے، کسی خاص مقام پر قبہ یا کوئی شبیہ رکھنے اور علم سجانے کا نام نہیں۔ بلکہ تعزیہ داری صدق و صفا کے ساتھ اظہارِ رنج و غم کا نام ہے، جس کے ذریعہ انسان اہلبیتؑ سے اپنی وابستگی اور عشق و محبت کو نمایاں کرتا ہے۔

تعزیہ داری دو حصوں پر مشتمل ہے۔

(۱) واقعہ کربلا کی یاد قائم رکھنا۔

(۲) اس واقعہ اور اہلِ بیتؑ کی مظلومیت کا موثر انداز میں چرچا کرنا۔

اس واقعہ کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے پُرسوز اشعار' پُر درد نوحے' خوبصورت اندازِ خطابت اور پاک وپاکیزہ شبیہیں انتہائی موثر ثابت ہو سکتی ہیں۔ ان شبیہوں کو زبانِ حال سے اس طرح مصائبِ اہلِ بیتؑ کا ترجمان ہونا چاہئے کہ انہیں دیکھنے والے پر بے ساختہ گریہ طاری ہو جائے۔

لہٰذا ایسی تعزیہ داری جو حقیقی معنوں میں واقعہ کربلا اور اہدافِ حسینی کی ترجمان ہو دو ہی صورتوں میں ممکن ہے۔

(الف) اس کے ذریعہ ایسے مضامین پیش کئے جائیں جو حقیقت اور واقعیت پر مبنی ہوں ہر قسم کے انحراف' من گھڑت واقعات' جعلی روایات اور امام حسینؑ کی شخصیت سے منسوب ایسے بیانات سے پاک ہوں جو آپؑ کی ذاتِ گرامی کے شایانِ شان نہیں۔

(ب) ایسی شبیہ سازی اور اظہارِ رنج والم کا اہتمام کیا جائے جو ہر قسم کے تصنع وبناوٹ' غیر ضروری سجاوٹ سے مبّرا ہو اور جس کے ذریعہ واقعہ کربلا کو اس کی صداقت اور سادگی کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

رنج ومصیبت اور تسلی وتشفی

رنج و مصیبت کی دو اقسام ہیں۔ (۱) انفرادی رنج و مصیبت (۲) اجتماعی رنج و مصیبت۔

(۱) انفرادی رنج و مصیبت

رنج و مصیبت اس ناگوار حالت کا نام ہے جس سے کسی انسان کو مفر نہیں اور ہر کسی کو زندگی کے کسی نہ کسی حصہ میں اس کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن رنج و مصیبت سے متاثر ہونے اور اس کے مقابل ردِّ عمل کے اظہار میں مصیبت کی کمیت و کیفیت اور مصیبت زدہ شخص کی معرفت کو دخل حاصل ہوتا ہے۔ مالی نقصان، مقام و حیثیت کا چھن جانا، عزت پر دھبہ آجانا، اقتدار سے معزولی، اعزہ واقرباء کا بچھڑ جانا وغیرہ انسان کو لاحق ہو سکنے والی مصیبتیں ہیں۔

مذکورہ چیزوں کا فقدان یا دیگر پسندیدہ چیزوں کا انسان سے چھن جانا فطری اور قدرتی بات ہے اور زندگی کے ساتھ ساتھ یہ نشیب و فراز جاری رہتے ہیں۔ لیکن انسان ان باتوں پر اس لئے رنجور ہوتا ہے اور اس بنا پر ان کے چھن جانے پہ ناگواری محسوس کرتا کہ وہ انہیں اپنی ملکیت سمجھ رہا ہوتا ہے، اس کا خیال ہوتا ہے کہ یہ ہمیشہ اس کے پاس رہنی چاہئیں، وہی ان کا مالک ہے۔ جب کہ درحقیقت ایسا نہیں بلکہ یہ سب چیزیں حتیٰ خود اس کی ذات بھی خدا کی ملکیت

ہے' اس کو بطور ایک امانت کے سپرد کی گئی ہوتی ہے۔ وہ ایک دستور اور قاعدہ کے تحت ہی ان چیزوں سے استفادہ کرسکتا ہے اور اس دستور و قانون کو پامال کرکے ان سے فائدہ اٹھانا اور اپنی مرضی سے ان چیزوں کو استعمال کرنا امانت میں خیانت کے مترادف ہے۔ امام جعفر صادقؑ اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"انسان کی عبودیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خود اپنا اور اپنے قبضے میں موجود چیزوں کا مالک خدا کو جانے اور انہیں اپنے پاس خدا کی ایک امانت سمجھے۔"

ارشادِ الٰہی ہے کہ۔

"زمین میں کوئی بھی مصیبت وارد ہوتی ہے یا تمہارے نفس پر نازل ہوتی ہے تو نفس کے پیدا ہونے کے پہلے سے وہ کتابِ الٰہی میں مقدر ہوچکی ہے اور یہ خدا کے لئے بہت آسان شے ہے۔ یہ تقدیر اس لئے ہے کہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر غرور نہ کرو کہ اللہ اکڑنے والے مغرور افراد کو پسند نہیں کرتا ہے۔" (سورہ حدید ۵۷۔ آیت ۲۲۔ ۲۳)

لہٰذا مال و منال' عزت و مقام' جاہ و مرتبہ' اولاد و اقرباء کا چھن جانا فطری اور طبیعی بات ہے' یہ کائنات میں جاری خداوندِ عالم کی مشیت کا ایک حصہ ہے۔

یہ تو اس مسئلہ کا ایک پہلو تھا لیکن دوسری طرف مصیبت پر پریشان ہونا اور اظہارِ رنج و غم کرنا بھی ایک فطری عمل ہے۔ اگر انسان کے جسم میں کانٹا چبھتا ہے' اس کو زخم لگتا ہے' اس کا خون بہتا ہے' یا وہ اپنے کسی عزیز کو مصیبت میں

دیکھتا ہے، تو اظہارِ رنج والم کرتا ہے۔ اگر وہ کسی مصیبت پر دکھ کا اظہار نہ کرے تو یہ غیر فطری بات ہے اور ایسا انسان غیر معمولی (Abnormal) کہلائے گا۔ یہ اس کا فطری نقص شمار ہو گا۔

پیغمبرِ اسلامؐ اپنی ایک حدیث میں مصیبت زدہ کے رونے، آنسو بہانے کو رحمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن حد سے زیادہ نالہ و فریاد کی نہی کی گئی ہے، شکوہ شکایت زبان پر لانے کو منع کیا گیا ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ اگر کوئی اس مصیبت پر صبر سے کام لے گا، زبانِ شکایت دراز نہ کرے گا تو خدا ثواب اور اجرِ آخرت کے ذریعہ اس مصیبت کا ازالہ کر دے گا۔

کیا کہنے خدا کے لطف و کرم کے کہ اگر وہ خود اپنی عطا کی ہوئی چیز واپس لیتا ہے اور جس سے وہ چیز واپس لیتا ہے وہ صابر و شاکر رہے، قضائے الٰہی پر راضی و خوشنود رہے تو خدا اس کا ازالہ اجر و ثوابِ آخرت سے کرتا ہے۔

اسلامی مصادر میں ملتا ہے کہ اگر انسان مال و منال، آل اولاد، جاہ و حشم کے چھن جانے کے موقع پر یہ تصور ذہن میں لائے کہ یہ چیزیں اس کی اپنی نہ تھیں، بلکہ ان کا حقیقی مالک کوئی اور تھا جس نے اسے عارتاً یہ چیزیں عطا کی تھیں اور اس نے یہ اس سے واپس لے لیں تو وہ ان کے چھن جانے پر جزع و فزع نہ کرے گا۔

نیز اس جانب توجہ بھی اس کی تشفیِ خاطر کا سبب بنے گی کہ یہ مصیبت صرف اسی کو دیکھنی نہیں پڑی بلکہ دنیا میں جو بھی آنکھ کھولتا ہے، اس دھرتی پر قدم رکھتا ہے اسے مصائب و آلام کا ذائقہ ضرور چکھنا پڑتا ہے۔ سکندر دنیا کو فتح کرتا ہوا جب بابل پہنچا تو وہاں بیمار پڑ گیا۔ جب اسے معلوم ہو گیا کہ اب اس کی موت یقینی

ہے تو اس نے اپنی ماں کے نام ایک خط تحریر کیا اور اس میں لکھا کہ۔

"میں آپ سے جدا ہو رہا ہوں' میری جدائی پر صبر و ضبط سے کام لیجئے گا۔ جب آپ کو میری موت کی خبر ملے تو آپ ایک عام دعوت کا اہتمام کیجئے گا۔ جس میں لوگوں کی بڑی تعداد کو مدعو کیجئے گا۔ اور جب وہ حاضر ہو جائیں تو ان سے کہئے گا کہ صرف وہی اس دسترخوان پر بیٹھے جس نے کوئی مصیبت نہ دیکھی ہو۔"

سکندر کی ماں نے ایسا ہی کیا۔ ابھی لوگ دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے کا آغاز کرنے ہی والے تھے کہ اس نے اعلان کیا کہ یہ کھانا صرف وہی لوگ کھائیں جنہوں نے کوئی مصیبت نہ دیکھی ہو' جو کبھی کسی پریشانی کا شکار نہ ہوئے ہوں۔ یہ سننا تھا کہ سب لوگوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے اور دسترخوان سے یہ کہتے ہوئے اٹھنے لگے کہ ہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے کوئی مصیبت نہ دیکھی ہو۔ یہ دیکھ کر سکندر کی ماں اپنے بیٹے کی حکمت کو جان گئی' اس کی عظمت کو سلام کرکے بولی :

"میرے بیٹے نے مرتے وقت بھی مجھے موعظہ حسنہ سے نوازا ہے۔"

شریعت میں مصیبت پر صبر کا ایک اور طریقہ یہ بیان ہوا ہے کہ انسان مصیبت کے موقع پر اپنے سے افضل و برتر ہستیوں پر پڑنے والے مصائب کو یاد کرے۔ ائمہ معصومینؑ کی مصیبتوں اور ابتلاؤں کو ذہن میں لائے' ان کی شہادتوں کو تصور میں لائے۔

انفرادی رنج و مصیبت پر تسلی و تشفی دینا

اسلام اپنے ماننے والوں کو تاکید کرتا ہے کہ اگر وہ کسی کو رنج و مصیبت میں

گرفتار دیکھیں تو اس کی تسلی و تشفی کا سامان کریں۔ بالخصوص اگر کسی کو اعزہ و اقرباء کی جدائی کے صدمہ سے بے حال پائیں، کسی باپ کو جوان بیٹے کی میت پر نوحہ کناں دیکھیں، یا کوئی ایسا بیٹا پائیں جس کے سر سے اس کے شفیق والدین کا سایہ اٹھ گیا ہو تو اسے تعزیت و تسلیت پیش کریں۔ اسلامی مصادر میں اس عمل کے بے حساب اجر و ثواب کا ذکر ہوا ہے۔

حدیث میں ملتا ہے کہ۔

"جو کوئی کسی مصیبت زدہ کی مصیبت پر اسے تسلی و تشفی دے تو خداوندِ عالم اسے اپنی کرامت کی خلعت پہناتا ہے۔"

ایک اور حدیث میں ملتا ہے کہ۔

"حضرت موسیؑ نے خدا سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت زدہ کو تسلیت پیش کرے تو اسے کیا اجر ملے گا؟ تو حضرت موسیٰ پر وحی نازل ہوئی کہ ہم روزِ قیامت ایسے شخص کو اپنے سایہ رحمت میں جگہ دیں گے۔"

"اگر کوئی شخص پیار و محبت سے کسی ایسے یتیم کو چپ کرائے جو اپنے باپ کی موت پر رو رہا ہو تو اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔"

"اگر کوئی شخص کسی یتیم کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرے تو یتیم کے سر کے جتنے بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے ان کی تعداد کے برابر اس کے نام نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔"

مصیبت پر گریہ وزاری ایک فطری عمل ہے، کوئی مذموم بات نہیں۔ لیکن مصیبت آپڑنے پر بے صبری کا اظہار کرنا، قضائے الٰہی کے بارے میں حرف

شکایت زبان پر لانا قبیح اور ناپسندیدہ عمل ہے لہٰذا ایسے شخص کو خاموش کرنا' ایسے مصیبت زدہ کو تسلی دینا مستحب تاکیدی ہے۔

دینی و اجتماعی مصیبت

دین یا معاشرہ کو درپیش مشکلات' خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں' یعنی خدا کسی قوم وملت کو مشکلات و مصائب کا شکار نہیں کرتا بلکہ کوئی فرد یا گروہ دین و اہلِ دین اور معاشرہ کی ان مشکلات کا سبب بنتا ہے اور بسا اوقات اقوام خود اپنے اجتماعی گناہوں کی سزا کے نتیجے میں مصائب میں مبتلا ہوتی ہیں۔

ایسی مصیبت پر گریہ وزاری میں جزع و فزع اور شکوہ شکایت بھی جائز ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ یہ شکوہ شکایت قضائے الٰہی کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ اس فرد یا گروہ کے خلاف ہوتی ہے جو مصیبت کا موجب بنا ہے۔ یہ نالہ و فغاں ظالم کی مذمت کے لئے ہے۔ اور یہ گریہ وزاری زمان و مکان تک محدود نہیں ہوتی بلکہ جہاں جہاں تک اس ظلم کے آثار پہنچتے ہیں اور جب تک اس ظلم کا ازالہ نہیں ہوتا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اس گریہ وزاری' شکوہ و شکایت کا انداز بدلتا رہتا ہے۔ یعنی اگر ظالم قوی ہوتا ہے' حالات پر اسے مکمل کنٹرول حاصل ہوتا ہے تو صرف گریہ وزاری پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اگر ظالم قدرے ضعیف ہوجائے' حالات پر اس کی گرفت مضبوط نہ ہو' تو پھر گریہ وزاری' براہِ راست شکوہ شکایت میں بدل جاتی ہے۔ حضرت امام خمینیؒ کے بقول یہ گریہ وزاری محض سادہ نالہ و فغاں' اظہارِ رنج و غم نہیں بلکہ ایک سیاسی عمل ہے۔

اس قسم کی مصیبت ایک سیاسی و اجتماعی مصیبت ہوتی ہے۔ اس موقع پر صبر و تحمل سے کام لینا، مصیبت کو بھول جانا، اس کے اظہار میں تساہل کرنا انسانیت کے ساتھ خیانت ہے، معاشرہ کے ساتھ زیادتی ہے۔ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا، حضرت امام زین العابدینؑ، حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور اہلِ بیتِ معصومینؑ نے ایسی مصیبت پر گریہ وبکا کو کبھی فراموش نہ کیا۔

ختمی مرتبت حضرت محمد مصطفیٰؐ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا کثرت سے گریہ و بکا فرمانا ایک تاریخی حقیقت ہے۔ اس بارے میں نکتہ وار چند معروضات کے ذریعہ ہم اپنی بات کی وضاحت کرتے ہیں۔

(۱) حضرت فاطمہ زہراؑ کے والد بزرگوار خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں۔ یہ ایک مسلّمہ ہے کہ نہ دنیا میں کسی اولاد کو ایسا باپ نصیب ہوا اور نہ کسی امت کو ایسا پیغمبر۔

(۲) قرآنِ کریم کی متعدد آیات میں مصیبتوں پر صبر کی تلقین کی گئی ہے، کبھی مصیبت پر صبر کو ایمان کا تقاضا قرار دیا گیا ہے، کبھی مصیبتوں پر بے صبری اور شکوہ شکایات کو ضعفِ ایمانی کی علامت بتایا گیا ہے، کبھی خداوند عالم صابرین کو بشارت سے نوازتا ہے اور کبھی صابرین کو اپنی رحمت کے نزول کا مقام بتاتا ہے۔ اور ظاہر ہے اس حکمِ الٰہی پر عمل کے معاملہ میں پیغمبرِ اسلامؐ اور ان کی جگر گوشہ فاطمہؑ بنتِ محمدؐ سے کون سبقت لے سکتا ہے۔

(۳) ختمی مرتب حضرت محمد مصطفیٰؐ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حضرت فاطمہؑ کو اپنی جدائی پر صبر و ضبط کی تلقین کی تھی۔

(۴) پیغمبرِ اسلامؐ کی وفات کے بعد حضرت زہراؑ بمشکل ۷۵ دن یا تین ماہ حیات

رہیں۔ اس عرصہ میں آپؑ مسلسل نالہ وفغاں میں مصروف رہیں۔ یہاں تک کہ اہلِ مدینہ نے امیرالمومنینؑ کے توسط سے انہیں پیغام بھجوایا کہ آپؑ اس قدر گریہ وبکا نہ فرمائیں۔ تو آپؑ نے جواب دیا کہ اے علیؑ! ان سے کہہ دیجئے کہ میں جب تک زندہ ہوں روتی رہوں گی۔ اور ایسا ہی ہوا آپؑ اپنی موت کے وقت تک پیغمبرؐ پر گریہ فرماتی رہیں۔

(۵) جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے حضرت زہراؑ کو صبر کی تلقین کی، آیاتِ قرآن بھی صبر کی تاکید کرتی ہیں۔ کیا حضرت زہراؑ نے پیغمبرؐ کی تلقین اور آیاتِ قرآنی کی تاکید پر عمل کیا؟

اگر کہا جائے کہ حضرت فاطمہؑ نے صبر سے کام لیا تو کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ صبر تھا تو بے صبری کیا چیز ہوتی ہے؟ اور اگر یہ جواب ہو کہ صبر نہیں کیا تو پھر کیا تصور کیا جاسکتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے حکمِ خدا اور رسولؐ سے (نعوذ باللہ) سرتابی کی۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا اس مصیبت پر گریہ نہیں فرما رہی ہیں۔ آپؑ کی یہ جزع وفزع فقدانِ پدر پر نہیں، آپؑ قضاءِ الٰہی پر شکوہ نہیں فرما رہیں بلکہ آپؑ کے گریہ کا سبب کوئی اور مصیبت ہے، کوئی ایسا رنج ہے جو انہیں امت سے پہنچا ہے۔

(۶) حضرت ختمی مرتبتؐ کی رحلت کسی ظلم وستم کے نتیجہ میں نہیں ہوئی۔ بلکہ آپؐ نے طبیعی طور پر وفات پائی۔ جنابِ زہراؑ بھی اس وقت کم سن بچّی نہ تھیں کہ آپؑ کو اپنے سرپرست کے چھن جانے کا ملال ہو۔ آپؑ شادی شدہ تھیں، اس وقت تک آپؑ کی چار اولادیں متولد ہو چکی تھیں، علیؑ جیسا مردان کا رفیقِ حیات تھا۔ لہٰذا پیغمبرؐ کی رحلت آپؑ کے لئے کوئی ناگہانی آفت نہ تھی، کسی نہ کسی دن

بہرحال رسول خداؐ کو دنیا سے آنکھیں بند کرنی تھیں۔ جناب زہراؑ فقدانِ پدر پر نالہ وفغاں نہیں کر رہی تھیں، اپنے والدِ گرامی کی مفارقت ان کے اس بے تحاشا گریہ وبکا کا سبب نہ تھی۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ آپؑ کو درپیش مصیبت نہ ہی ذاتی اور انفرادی مصیبت تھی اور نہ ہی قضائے الٰہی نے انہیں بے قرار کیا تھا۔ بلکہ زہراؑ کو درپیش مصیبت امت کی پیدا کردہ تھی، امت نے جگر گوشہ رسولؐ پر ظلم کا کوئی پہاڑ توڑا ہے اور یقیناً یہ کوئی ایسی مصیبت ہے جس کی گہرائی اور ہمہ گیری کو زہراؑ جیسی ہستی ہی سمجھ سکتی ہے اور اسی ادراک کا نتیجہ ہے کہ وہ اس مصیبت پر یوں پیہم گریہ کناں ہیں۔

یہ ایسی مصیبت ہے جس کے زخم لوگوں کی طرف سے تسلی و تشفی اور صبر و ضبط کی تلقین سے مندمل ہونے والے نہیں، بلکہ ان کے زخموں کا مداوا اور اس مصیبت کا حل زہراؑ کے ساتھ مل کر گریہ وبکا کرنا ہے، زہراؑ کے ہمراہ اس مصیبت کے ازالہ کے لئے کوشش ہے۔

زہراؑ کا یہ گریہ انفرادی وذاتی مصیبت پر نہیں بلکہ اجتماعی اور دینی مصیبت پر ہے۔ اس کا ثبوت آپؑ کا وہ خطبہ ہے جو آپؑ نے اپنی عیادت کو آنے والی انصار و مہاجرینِ مدینہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کے روبرو ارشاد فرمایا۔ آپؑ نے اپنی ذاتی مصیبت یعنی رحلتِ پیغمبرؐ کے حوالہ سے کچھ عرض کرنے کی بجائے اس بارے میں قضائے الٰہی پر ادائے شکر اور اپنی رضا کے اظہار کے بجائے دنیا سے نفرت اور ان خواتین کے مردوں سے شکایت کا اظہار کیا۔ آپؑ نے فرمایا :

"تم لوگوں نے علیؑ میں کون سی بری اور مذموم صفت پائی تھی جو انہیں منصبِ خلافت کا سزاوار نہ جانا۔۔۔۔

قسم بخدا! اگر تم زمامِ خلافت علیؑ کے ہاتھ میں دیتے تو تمہارے اوپر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے، تمہیں دین و دنیا کی سعادت نصیب ہو جاتی۔۔۔۔۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا تو اب اس کی پاداش میں دردناک سزا کے منتظر رہو۔"

دینی و اجتماعی مصیبت کے شکار ہونے والے کا شکوہ شکایت اور گریہ وبکا اس وقت تک نہیں تھمتا جب تک اسے اپنا مطلوب و مقصود حاصل نہ ہو جائے۔ اس ظلم کا ازالہ نہ ہو، ظالم اپنے انجام کو نہ پہنچے۔ ایسی مصیبت میں مبتلا انسان نہ صرف گریہ و فغاں جاری رکھے گا بلکہ اپنی مصیبت کے اظہار کے لئے نئے نئے طریقے بھی تلاش کرے گا تاکہ اس کی صدا موثر تر ہو جائے۔

جنابِ زہراؑ کا گریہ اگر صرف اپنے پدرِ گرامی کے فراق پر ہوتا تو اپنی زندگی کے ان لمحات میں ان کا تذکرہ کرتیں، لوگوں کی رضایت جلب کرنے کی کوشش کرتیں، جن لوگوں سے ناراض تھیں انہیں معاف کر دیتیں، جیسا کہ عام دستور ہے۔ لیکن زہراؑ نے عیادت کے لئے آنے والوں کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے، ان سے عفو و درگزر کرنے کی بجائے، ان کی زبانوں سے ان کی خطاؤں اور غلطیوں کا اعتراف کروایا۔ اگرچہ وہ لوگ اس دور میں کسی بڑے سے بڑے مقام ہی پر فائز کیوں نہ ہوں۔ کیا وجہ ہے جو آج رحمت للعالمینؐ کی بیٹی کے در سے معافی کی بھیک مانگنے والے خالی ہاتھ جا رہے ہیں۔۔۔۔۔؟ آخری لمحات میں آپؑ کے درِ پر امید لے کر آنے والے کیوں ناامید اور تہی دست پلٹ رہے ہیں۔۔۔۔؟

یہی نہیں بلکہ آپؑ نے یہ وصیت فرما کر کہ میرا جنازہ شب کی تاریکی میں

اٹھایا جائے اور میری قبر کو لوگوں سے پوشیدہ کردیا جائے' اپنے بعد بھی اپنی صدائے مظلومیت کو باقی رکھنے کا بندوبست فرمادیا اور عشقِ رسولؐ کا دعویٰ کرنے والوں اور اہلِ بیتِ نبیؐ سے محبت کا دم بھرنے والوں کے ذہنوں کو جھنجھوڑنے کے واسطے ہمیشہ کے لئے یہ سوال چھوڑ دیا کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟

حضرت زینبؑ

جناب سیدہ کے بعد دوسری شخصیت جس نے واقعہ کربلا کے بعد اپنی عمر کا بقیہ تمام حصہ فرشِ عزاء پر بسر کیا آپ کی بیٹی حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپ علم و معرفت' صبرو تحمل میں وارثِ زہراؑ ہیں۔ علیؑ کی اس بیٹی کو گاہ بگاہ مصائب سہنے پڑے ہیں۔ ابھی کم سن ہی تھیں کہ ماں کا داغ سہنا پڑا۔ تمیں' پینتیس برس کی عمر میں مسجدِ کوفہ میں اپنے بابا کو خون میں غلطاں دیکھا' لیکن کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ زینبؑ نے ان سانحوں پر اس قدر گریہ و فغاں بلند کیا ہو' اتنے دن فرشِ عزا بچھایا ہو۔ اسی طرح زینبؑ نے زہر کے اثر سے اپنے عزیز بھائی حسنِ مجتبیٰؑ کے جگر کو ٹکڑے ہوکر تشت میں گرتے دیکھا' ان کے جنازے پر تیروں کی بارش دیکھی لیکن اس مصیبت پر انہوں نے کتنے دن غم منایا؟ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ لیکن حسین ابنِ علیؑ کی شہادت کے بعد زینبؑ ایک روز کے لئے بھی صفِ عزا سے نہیں اٹھیں' چند لمحوں کے لئے بھی ان کے آنسو نہ تھمے' نالہ و فغاں میں فاطمہؑ کی مثل بن گئیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ

تیسری شخصیت حجتِ خدا حضرت امام زین العابدینؑ کی ہے آپؑ اپنے پدر

بزرگوار کے بعد چالیس برس تک نالہ و فغاں میں محو رہے۔ آپؑ خود بھی روتے تھے اور لوگوں کو بھی اپنے بابا کے غم میں شریک کرتے تھے۔ جب لوگ آپؑ سے صبر کی درخواست کرتے تو آپؑ فرماتے کہ۔

"میں کیسے صبر کروں، میں نے اپنی ان آنکھوں سے اٹھارہ بنی ہاشم کو تہ تیغ ہوتے دیکھا ہے۔"

امامؑ نے تا عمر کربلا کے شہداء کا ماتم کیا، اپنی زندگی کے آخر تک روتے ہی رہے۔

خواتینِ بنی ہاشم

ان خواتین نے بھی واقعہ کربلا کے بعد کبھی خوشی نہ منائی، ہمیشہ حزن و ملال کے عالم میں رہیں، حنا بندی نہ کی، سائے میں نہ بیٹھیں اور اپنے اس حال سے تا عمر محلۂ بنی ہاشم سے گزرنے والی تمام خواتین کو متوجہ کرتی رہیں۔

مذکورہ حزن و ملال، گریہ و بکا دراصل مصیبتِ سیاسی ہے۔ اس مصیبت کا اظہار ظلم سے پردہ ہٹانے اور اپنی مظلومیت کی جانب متوجہ کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ ظالم کو بدنام کرنا، اس کے مظالم کا پروپیگنڈہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسی مصیبت میں مصیبت زدہ کو صبر و تحمل کی تلقین نہیں کی جاتی بلکہ اس کے ساتھ ہم آواز ہو کر صدائے فغاں کو مزید پُر اثر بنانا ہوتا ہے۔ رونے والوں میں اضافہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس مصیبت کو درک کرنے والوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا ہوتا ہے۔

یہ گریہ و بکا اور عزاداری سیاسی مقصد رکھتی ہے، عام مصیبت کی مانند

نہیں۔ اس مدعا پر چند دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) اس مدعا کی بین دلیل وہ کثیر روایات ہیں جو اس طرح رونے کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

(۲) وہ روایات بھی اس مدعا پر دلیل ہیں جو امام حسین کے غم میں خود رونے اور دوسروں کو رلانے کے اجر و ثواب کے بارے میں ملتی ہیں۔

(۳) وہ روایت جس میں امام حسینؑ کے غم میں رونے جیسی شکل بنانے کو بھی انتہائی اجر و ثواب کا ذریعہ بتایا گیا ہے ہمارے مدعا پر بہترین دلیل ہے۔

امام خمینیؒ اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"امام حسینؑ کی عزاداری ایک سیاسی عمل ہے۔"

(۴) امام محمد باقرؑ نے وصیت فرمائی اور ایک خاص رقم ان لوگوں کے لئے مخصوص کی جو آپؑ کی شہادت کے بعد منیٰ میں ایامِ تشریق میں ان پر گریہ و زاری کریں۔

مختصر یہ کہ امام حسینؑ اور ائمہ معصومینؑ کی یاد میں منائی جانے والی عزاداری ان شخصیات کے فراق پر گریہ وزاری کا نام نہیں، بلکہ اس کا مقصد ان کی مظلومیت کا پرچار کرنا اور ظالم کے چہرے سے نقاب اٹھانا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ظالم سے مظلوم کا حق بازیاب نہ کرالیا جائے اور ظالم اپنے کیفرِ کردار کو نہ پہنچ جائے۔ لہٰذا عزاداری دراصل ظالموں سے نفرت کا اظہار اور ان کے خلاف رائے عامہ ہموار کرکے امت کو ان کے مقابل صف آراء کرنے کا نام ہے۔

عزاداری کے اہداف

عزاداری کی ترویج و تشویق اور اس کے اجتماعات کے اہتمام کی تاکید پر مشتمل ائمہ معصومینؑ کی احادیث کا بغور مطالعہ ہم پر عزاداری کے اہداف و مقاصد روشن کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے طریقہ اور سمت کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ آیئے ذیل کی سطور میں عزاداری کے مقاصد کا مطالعہ کریں، یہ مقاصد احادیثِ معصومینؑ سے ماخوذ ہیں۔

(۱) عزاداری کے ذریعہ لوگ ائمہ معصومینؑ سے وابستہ ہوں اور رہنمائی کے لئے صرف انہی ذواتِ مقدسہ کو تسلیم کریں۔

(۲) آلِ محمدؐ خصوصاً امام حسینؑ کے دشمنوں اور ان پر ظلم کرنے والوں سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو اور لوگ ان کے قاتلوں اور اس قتل و جفا پر راضی رہنے والوں سے نفرت و بے زاری کا اظہار کریں۔

(۳) لوگوں کے دلوں میں یہ حقیقت راسخ کی جائے کہ نماز، روزہ، حج، زکات، امر بالمعروف و نہی عن المنکر غرض تمام ارکانِ دین کی بقاء و ترویج اہلِ بیتؑ کی قیادت و سیادت ہی میں ممکن ہے۔ اور یہ کہ امام حسینؑ کی عظیم الشان قربانی کا واحد مقصد شریعت کی اساس و بنیاد کی بقا تھا۔

(۴) شیعوں کے درمیان بار بار فضائل و مناقبِ اہلِ بیتؑ کا بیان اور ان پر گزرنے والے مصائب کا تذکرہ بھی عزاداری کے مقاصد میں سے ہے۔ تاکہ اس طرح ان کے دلوں میں اہلِ بیتؑ سے محبت و مودت کے جذبات بیدار رہیں اور مزید پروان چڑھیں۔ اس مقصد کے لئے اپنے اپنے دورِ حیات میں ائمۂ معصومینؑ خاص اہتمام کرتے تھے اور مخصوص ایام میں اپنے درِ دولت پر حاضر ہونے والے مومنین اور دوستدارانِ اہلِ بیتؑ کے سامنے امام حسینؑ کے مصائب بیان کرتے تھے۔ نیز مقامِ اہلِ بیتؑ سے آشنا پاکباز اور صالح شعراء کو اہلِ بیتؑ کے فضائل اور ان کے مصائب پر شعرگوئی کی ترغیب دیتے تھے۔

عزاداری ایک سیاسی عمل ہے

سخت ترین حالات اور انتہائی مشکلات میں بھی عزاداری کا اہتمام کرنے کے سلسلہ میں ائمہؑ کا اصرار' اس کے بے حساب اجر و ثواب کا اعلان اور عزاداروں کے حق میں دعا وغیرہ' ان سب باتوں کا اصل مقصد لوگوں کے قلوب کو اہلِ بیتؑ کی طرف متوجہ کرنا اور اس طرح ان کے دلوں میں ولایتِ معصومینؑ کا بیج بونا ہے۔ لہٰذا عزاداری ایک محض تعبدی عمل نہیں اور نہ ہی رونے رلانے تک محدود ہے' بلکہ اس کا بنیادی مقصد سیاسی ہے۔ اس کی ایک دلیل امام محمد باقرؑ کی وہ وصیت ہے جس کے تحت آپؑ نے آٹھ سو درہم اس بات کے لئے مختص کئے کہ یہ کچھ خواتین کو دیئے جائیں جو ایامِ حج میں منیٰ میں فرشِ عزا بچھائیں اور ان کی مصیبت پر گریہ وزاری کریں۔ امامؑ کی اس وصیت میں تین نکات قابلِ توجہ ہیں۔

(الف) کسی پیغمبرؐ یا کسی امامؑ سے ایسی سفارش نہیں ملتی جس میں اس نے کہا ہو کہ اس کے بعد اس کی مصیبت کو یاد کیا جائے۔

(ب) ان خواتین سے یہ تاکید کہ ہماری مصیبت کا ذکر کیا جائے۔

(ج) خاص طور پر منیٰ میں یہ عمل انجام دینے کی تاکید۔

امامؑ کا عزاداری کے لئے ایامِ حج میں منیٰ کو منتخب کرنا خاص فلسفہ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ایامِ حج میں گوشہ و کنارِ عالم سے مسلمان سمٹ کر حج کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ عرفات اور مشعر ایسی جگہیں ہیں جہاں لوگ عبادت میں غرق ہوتے ہیں، یہاں اس بات کا موقع نہیں کہ عبادت کے علاوہ کوئی اور کام کیا جائے۔ لیکن منیٰ وہ مقام ہے جہاں حج کے لئے جمع ہونے والے لوگ خوشی اور مسرت کے عالم میں ہوتے ہیں، یہ ایام چونکہ ایامِ عید میں سے ہیں، ایسے میں اگر کسی خیمے سے رونے کی آواز بلند ہو تو ہر شخص اس جانب متوجہ ہوگا اور رونے کا سبب دریافت کرنا چاہے گا اور جب اسے رونے والے کی طرف سے اس گریہ وزاری کی وجہ معلوم ہوگی اور وہ جانے گا کہ یہ آہ و فغاں کس کے ظلم کے سبب ہے تو اس کے دل میں ظالموں سے نفرت جنم لے گی اور وہ یہ چیز حج کی دوسری سوغاتوں کی مانند اپنے علاقے کے لوگوں کے لئے لے جائے گا اور یوں اہلِ بیتؑ کی مظلومیت اور ان پر ظلم و ستم روا رکھنے والوں کے چہرے آشکارا ہوں گے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عزاداری کا فلسفہ اہلِ بیتؑ کی حقانیت کی صدا دنیا بھر میں نشر کرنا، ان کے دشمنوں کے چہروں کو عیاں کرنا اور ان کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا ہے۔

عزاداری کے سیاسی ہونے کی ایک اور دلیل اس سلسلہ کی روایات میں

استعمال ہونے والا ایک کلمہ "تباکی" (یعنی رونے جیسی صورت بنانا) ہے۔ عزاداری کی ترویج سے متعلق احادیث میں ملتا ہے کہ "جو شخص امام حسینؑ پر گریہ کرے، یا دوسروں کو رلائے یا رونے جیسی شکل ہی بنائے اس پر جنت واجب ہے۔"

بکا، ابکا اور تباکی شریف جرجانی نے اسے باب تفاعل سے لیا ہے۔ باب تفاعل ایسی صفت کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے جو موصوف میں درحقیقت نہیں پائی جاتی بلکہ وہ صرف اس کا اظہار کرتا ہے۔ مثلاً تغافل کا اظہار کرنے والا غافل نہیں کہلاتا لیکن وہ ظاہر ایسے کرتا ہے جیسے غافل ہو۔ اسی طرح تجاہل کا اظہار کرنے والا شخص جاہل نہیں ہے لیکن اظہار جہل کرتا ہے۔

شیخ محمد عبدہ کے بقول "تباکی" بغیر تصنع و بناوٹ کے رونے جیسی شکل بنانے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ "تباکی" ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے جس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے ہوں، جس کے لئے رونا مشکل ہو رہا ہو لیکن وہ مصیبت زدہ کی مصیبت سے متاثر ہے، اس کے حق میں ہے اور اس پر ظلم و تعدی ڈھانے والے سے نفرت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ آنسو بہانے پر قادر نہیں تب بھی وہ گریہ کرنے والے لوگوں کے ساتھ آواز گریہ بلند کرے، مصیبت پر رو نہ سکے تو رونے جیسی صورت بنائے اور اس طرح مظلوم سے حمایت کا اعلان کرے۔

عزاداری کے لئے بنیادی نکات

یہاں ہم ان بنیادی نکات پر روشنی ڈالیں گے جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے عزاداری منانی چاہئے۔

(۱) عزاداری کا اہتمام ان ہدایات کی روشنی میں ہونا چاہئے جو ائمہ اطہار علیہم السلام کی جانب سے اہداف عزاداری اور شعائر حسینی ؑ کو زندہ رکھنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور جو ہماری معتبر و موثق کتب میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) غیبت امام زمانہ ؑ میں دین کے محافظ اور شریعت کے پاسدار' علماء اعلام اور مراجعین کرام ہیں۔ عزاداری کا انعقاد کرتے ہوئے ہمیں ان بزرگ حضرات کے طور طریقوں اور اسلوب و عمل کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ کس طرح عزاداری کا انعقاد کرتے ہیں اور کن کن باتوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور کن باتوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۳) عزاداری میں ایسی چیزوں کی شمولیت کی روک تھام کرنی چاہئے جو کسی بھی پہلو سے ہمارے دین' ائمہ اطہار ؑ کی شخصیات یا خود عزاداری کے ضعف و کمزوری کا موجب ہوتی ہوں۔ یا دوسروں کی نظر میں دین کی تضحیک و تمسخر کا سبب بنتی ہوں۔

(۴) عزاداری میں اللہ اور رسولؐ کے نزدیک اہلِ بیتؑ کے مقام و مرتبے کا ذکر ہونا چاہئے اور یہ بھی بیان ہونا چاہئے کہ ظالموں نے ان تمام مراتب و فضائل کو جاننے کے باوجود اہلِ بیتؑ پر مصائب کے پہاڑ توڑے۔ ظالمین کی نشاندہی ہونی چاہئے اور امام حسینؑ اور اہلِ بیتِ اطہارؑ پر ہونے والے مظالم بیان ہونے چاہئیں۔

(۵) عزاداری میں انقلابِ کربلا کی تاریخ کے تفصیلی تذکرے کے ساتھ ساتھ، ظالم حکومتوں کے خلاف اہلِ بیتؑ کی تعلیمات اور ان کے عملی اقدامات کا ذکر بھی ہونا چاہئے اور اہلِ بیتؑ کے سیاسی کردار پر روشنی ڈالنی چاہئے۔

(۶) عزاداری کا منشاء یہ ہے کہ امام حسینؑ کی مظلومیت کا ذکر کرکے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے جذبات و احساسات کو ان کی طرف متوجہ کیا جائے۔ لہٰذا عزاداری کے دوران اہلِ بیتؑ کی مظلومیت کا زیادہ سے زیادہ چرچا کرنا چاہئے۔

(۷) عزاداری کے اجتماعات کے توسط سے اہلِ بیتؑ کے پیغام کو اور اسلام کی سربلندی کے لئے ان کی دعوت کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہئے۔

کیا عزاداری

کو کسی اصول کا پابند کیا جا سکتا ہے؟

بعض حضرات عزاداری کو عشق و عقیدت کا مسئلہ قرار دے کر، بعض اسے "ولائے اہلِ بیت" کا مظہر قرار دے کر اور بعض عقیدے کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے اس میں رائج غلط رسوم و رواج کی اصلاح کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اور اسے علماء و فقہا کے دائرہ اختیار سے باہر قرار دیتے ہیں، تاکہ اس طرح انہیں عزاداری کے سلسلے میں کسی اصول و ضابطہ کی پابندی نہ کرنا پڑے اور جس چیز کو ان کا دل چاہے عزاداری کے نام پر انجام دیں۔

بہر طور ایسے حالات کے ہوتے ہوئے بھی اور ایسے خیالات کے باوجود بھی فقہاء نے عزاداری کے بارے میں اظہارِ رائے سے گریز نہ کیا اور کہا کہ عزاداری کا انعقاد شرعی اصول و ضوابط کے تحت ہونا چاہئے، اس میں دینی احکام و قوانین کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو شرع کی حدود سے باہر ہو، ہو ہر مسئلہ کے بارے میں احکامِ شریعت پائے جاتے ہیں۔ ائمہ معصومین نے بھی اپنا ماننے والا اسی کو تسلیم کیا ہے جو پابندِ شریعت ہو، ائمہ کا ہر اقدام خود شریعت کی حدود میں اور اس کے استحکام کی خاطر ہوتا تھا، خود امام حسین کی تحریک بھی انہی شرعی اصولوں کی پاسداری کے لئے تھی اور آپ

دوران تحریک ان حدود و ضوابط سے سرِمو باہر نہ نکلے اور آپؑ کے بارے میں ایسا تصور بھی ممکن نہیں۔ ایک موقع پر لشکرِ یزید سے خطاب کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا :

"کیا میں نے کسی حلالِ خدا کو حرام کیا ہے؟ کیا میں نے شریعت میں کوئی ردوبدل کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تمہیں حق ہے کہ مجھے قتل کر ڈالو۔"

امامؑ کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ کے نزدیک اصولِ شریعت کس قدر اہم تھے اور ان احکام کو پامال کرنے والے کا خون بہانا بھی آپؑ جائز سمجھتے تھے۔ لہٰذا کیونکر ممکن ہے کہ اسی امامؑ سے منسوب عزاداری میں غیر شرعی امور انجام دیے جائیں اور کوئی انہیں جائز سمجھے اور ان سے روکنے والے کو عزاداری کا مخالف اور امام حسینؑ کا دشمن قرار دے۔

عزاداری اور ثابت و متغیر قوانینِ شریعت

دنیا مسلسل تغیرات کا شکار ہے۔ ان تغیرات سے یہاں رائج نظام اور سماجی قوانین بھی محفوظ نہیں۔ خواہ یہ نظام و قوانین مذہبی ہوں یا غیر مذہبی، زمینی ہوں یا آسمانی۔

اس تجدد و تغیر کے بارے میں انسانی اذہان ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے مطابق موروثی اور قدیم قوانین ناقابلِ تغیر ہیں۔ لہذا وہ تمام تغیرات اور جدتوں کو ٹھکرا کر اپنے اسلاف کے متعین کردہ قوانین و ضوابط سے چمٹے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا تعلق خواہ مذہبی گروہوں سے ہو یا انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کے معتقدین سے، ان کا مقدر شکست و ناکامی ہے۔ ان مکاتیب میں سرِفہرست عیسائیت، مسلمان فرقوں میں سے سلفیہ اور شیعوں میں اخباری گروہ ہے۔ یہ گروہ ہر نئی چیز کو بدعت، غیر قانونی اور غیر شرعی قرار دے کر مسترد کرتے ہیں۔

دوسری طرف ان سے بالکل برعکس موقف بھی پایا جاتا ہے جس کے حاملین کے پاس کوئی اصول اور نظریہ ثابت، غیر متغیر اور دائمی نہیں۔ ان کا مکتب و مذہب ہر نئی چیز کو قبول کرنا ہے، وہ ہر جدید طریقے کو درست قرار دیتے ہیں۔ وہ کسی ثابت قانون کے قائل نہیں۔ ان کے پاس کوئی چیز مستقل اور کوئی اصول دائم نہیں۔ ان کے نزدیک کسی بھی چیز کی صحت کی کسوٹی اس کا تازہ ترین اور

جدید تر ہوتا ہے۔ اس نظریہ کے حامل افراد بطور کلّی تمام قدیم نظریات اور خاص کر ادیانِ سماوی کو چیلنج کرتے ہیں۔ سب قدیم افکار کو خواہ وہ فلسفی افکار ہوں یا مذہبی مسترد کرتے ہیں۔

اسلام ایک نظامِ حیات کے طور پر اپنا تعارف کراتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں موجود ثابت اور ناقابلِ تغیر اصول نئے پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اسلام ہی ترقی یافتہ اور جدید دنیا میں انسانیت کی کشتی کا ناخدا ہے۔

درحقیقت اسلامی قوانین انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی مانند نہیں جو مخصوص حالات' خاص ماحول سے متاثر ہو کر اور محدود ذہنیت رکھنے والے انسان کے وضع کئے ہوئے ہوں اور جو حالات کے تغیرات سے متاثر ہو کر ادلتے بدلتے رہتے ہوں۔

اسلامی قوانین کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہیں ہر دور' ہر زمانے کے انسانوں کے خالق اور تا ابد ان کی ضروریات سے آگاہ ہستی ربّ جلیل نے نازل کیا ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان کی انسانیت کوئی متغیر شے نہیں۔ بلکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں جو اس گیتی پر قدم رکھنے والے اوّلین انسان سے لے کر آج تک کے لوگوں کی یکساں ضرورت ہیں۔ انسان ہمیشہ ان کا محتاج رہا ہے اور رہے گا۔ مثلاً آزادی' عدل و انصاف ہر زمانے کے انسان کی ضرورت رہے ہیں۔ ہر دور کے انسان نے کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز اور انتہائی قدرت و طاقت کی حامل ہستی کے سامنے سجدۂ عبودیت بجا لانا اپنے لئے ضروری سمجھا ہے۔ تمام انسانی سماج ہر دور میں حکومت کے محتاج رہے ہیں وغیرہ وغیرہ ------ یہ ایسی چیزیں

بہرحال رسول خداؐ کو دنیا سے آنکھیں بند کرنی تھیں۔ جناب زہراؑ فقدانِ پدر پر نالہ و فغاں نہیں کر رہی تھیں' اپنے والدِ گرامی کی مفارقت ان کے اس بے تحاشا گریہ وبکا کا سبب نہ تھی۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ آپؑ کو درپیش مصیبت نہ ہی ذاتی اور انفرادی مصیبت تھی اور نہ ہی قضائے الٰہی نے انہیں بے قرار کیا تھا۔ بلکہ زہراؑ کو درپیش مصیبت امت کی پیدا کردہ تھی' امت نے جگر گوشۂ رسولؐ پر ظلم کا کوئی پہاڑ توڑا ہے اور یقیناً یہ کوئی ایسی مصیبت ہے جس کی گہرائی اور ہمہ گیری کو زہراؑ جیسی ہستی ہی سمجھ سکتی ہے اور اسی ادراک کا نتیجہ ہے کہ وہ اس مصیبت پر یوں پیہم گریہ کناں ہیں۔

یہ ایسی مصیبت ہے جس کے زخم لوگوں کی طرف سے تسلی و تشفی اور صبرو ضبط کی تلقین سے مندمل ہونے والے نہیں' بلکہ ان کے زخموں کا مداوا اور اس مصیبت کا حل زہراؑ کے ساتھ مل کر گریہ وبکا کرنا ہے' زہراؑ کے ہمراہ اس مصیبت کے ازالہ کے لئے کوشش ہے۔

زہراؑ کا یہ گریہ انفرادی وذاتی مصیبت پر نہیں بلکہ اجتماعی اور دینی مصیبت پر ہے۔ اس کا ثبوت آپؑ کا وہ خطبہ ہے جو آپؑ نے اپنی عیادت کو آنے والی انصار ومہاجرینِ مدینہ سے تعلق رکھنے والی خواتین کے روبرو ارشاد فرمایا۔ آپؑ نے اپنی ذاتی مصیبت یعنی رحلتِ پیغمبرؐ کے حوالہ سے کچھ عرض کرنے کی بجائے اس بارے میں قضائے الٰہی پر ادائے شکر اور اپنی رضا کے اظہار کے بجائے دنیا سے نفرت اور ان خواتین کے مردوں سے شکایت کا اظہار کیا۔ آپؑ نے فرمایا :

"تم لوگوں نے علیؑ میں کون سی بری اور مذموم صفت پائی تھی جو انہیں منصبِ خلافت کا سزاوار نہ جانا-----

قسم بخدا! اگر تم زمامِ خلافت علیؑ کے ہاتھ میں دیتے تو تمہارے اوپر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھل جاتے، تمہیں دین و دنیا کی سعادت نصیب ہو جاتی ---- لیکن تم نے ایسا نہیں کیا تو اب اس کی پاداش میں دردناک سزا کے منتظر رہو۔"

دینی و اجتماعی مصیبت کے شکار ہونے والے کا شکوہ شکایت اور گریہ و بکا اس وقت تک نہیں تھمتا جب تک اسے اپنا مطلوب و مقصود حاصل نہ ہو جائے۔ اس ظلم کا ازالہ نہ ہو، ظالم اپنے انجام کو نہ پہنچے۔ ایسی مصیبت میں مبتلا انسان نہ صرف گریہ و فغاں جاری رکھے گا بلکہ اپنی مصیبت کے اظہار کے لئے نئے نئے طریقے بھی تلاش کرے گا تاکہ اس کی صدا موثر تر ہو جائے۔

جناب زہراؑ کا گریہ اگر صرف اپنے پدرِ گرامی کے فراق پر ہوتا تو اپنی زندگی کے ان لمحات میں ان کا تذکرہ کرتیں، لوگوں کی رضایت جلب کرنے کی کوشش کرتیں، جن لوگوں سے ناراض تھیں انہیں معاف کر دیتیں، جیساکہ عام دستور ہے۔ لیکن زہراؑ نے عیادت کے لئے آنے والوں کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے، ان سے عفو و درگزر کرنے کی بجائے، ان کی زبانوں سے ان کی خطاؤں اور غلطیوں کا اعتراف کروایا۔ اگرچہ وہ لوگ اس دور میں کسی بڑے سے بڑے مقام ہی پر فائز کیوں نہ ہوں۔ کیا وجہ ہے جو آج رحمت للعالمینؐ کی بیٹی کے در سے معافی کی بھیک مانگنے والے خالی ہاتھ جا رہے ہیں ----؟ آخری لمحات میں آپؑ کے در پر امید لے کر آنے والے کیوں ناامید اور تہی دست پلٹ رہے ہیں ----؟

یہی نہیں بلکہ آپؑ نے یہ وصیت فرما کر کہ میرا جنازہ شب کی تاریکی میں

اٹھایا جائے اور میری قبر کو لوگوں سے پوشیدہ کردیا جائے' اپنے بعد بھی اپنی صدائے مظلومیت کو باقی رکھنے کا بندوبست فرمادیا اور عشقِ رسولؐ کا دعویٰ کرنے والوں اور اہلِ بیتِ نبیؐ سے محبت کا دم بھرنے والوں کے ذہنوں کو جھنجھوڑنے کے واسطے ہمیشہ کے لئے یہ سوال چھوڑدیا کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟

حضرت زینبؑ

جناب سیدہ کے بعد دوسری شخصیت جس نے واقعہ کربلا کے بعد اپنی عمر کا بقیہ تمام حصہ فرشِ عزاء پر بسر کیا آپ کی بیٹی حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ذاتِ گرامی تھی۔ آپؑ علم و معرفت' صبرو تحمل میں وارثِ زہراؑ ہیں۔ علیؑ کی اس بیٹی کو گاہ بگاہ مصائب سہنے پڑے ہیں۔ ابھی کم سن ہی تھیں کہ ماں کا داغ سہنا پڑا۔ تیس' پینتیس برس کی عمر میں مسجدِ کوفہ میں اپنے بابا کو خون میں غلطاں دیکھا' لیکن کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ زینبؑ نے ان سانحوں پر اس قدر گریہ و فغاں بلند کیا ہو' اتنے دن فرشِ عزا بچھایا ہو۔ اسی طرح زینبؑ نے زہر کے اثر سے اپنے عزیز بھائی حسنِ مجتبیٰؑ کے جگر کو ٹکڑے ہو کر تشت میں گرتے دیکھا' ان کے جنازے پر تیروں کی بارش دیکھی لیکن اس مصیبت پر انہوں نے کتنے دن غم منایا؟ تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ لیکن حسین ابنِ علیؑ کی شہادت کے بعد زینبؑ ایک روز کے لئے بھی صفِ عزا سے نہیں اٹھیں' چند لمحوں کے لئے بھی ان کے آنسو نہ تھمے' نالہ و فغاں میں فاطمہؑ کی مثل بن گئیں۔

حضرت امام زین العابدینؑ

تیسری شخصیت حجتِ خدا حضرت امام زین العابدینؑ کی ہے آپؑ اپنے پدر

بزرگوار کے بعد چالیس برس تک نالہ و فغاں میں محو رہے۔ آپؑ خود بھی روتے تھے اور لوگوں کو بھی اپنے بابا کے غم میں شریک کرتے تھے۔ جب لوگ آپؑ سے صبر کی درخواست کرتے تو آپؑ فرماتے کہ۔

"میں کیسے صبر کروں' میں نے اپنی ان آنکھوں سے اٹھارہ بنی ہاشم کو تہ تیغ ہوتے دیکھا ہے۔"

امامؑ نے تا عمر کربلا کے شہداء کا ماتم کیا' اپنی زندگی کے آخر تک روتے ہی رہے۔

خواتینِ بنی ہاشم

ان خواتین نے بھی واقعہ کربلا کے بعد کبھی خوشی نہ منائی' ہمیشہ حزن و ملال کے عالم میں رہیں' حنا بندی نہ کی' سائے میں نہ بیٹھیں اور اپنے اس حال سے تا عمر محلۂ بنی ہاشم سے گزرنے والی تمام خواتین کو متوجہ کرتی رہیں۔

مذکورہ حزن و ملال' گریہ و بکا دراصل مصیبتِ سیاسی ہے۔ اس مصیبت کا اظہار ظلم سے پردہ ہٹانے اور اپنی مظلومیت کی جانب متوجہ کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ ظالم کو بدنام کرنا' اس کے مظالم کا پروپیگنڈہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسی مصیبت میں مصیبت زدہ کو صبر و تحمل کی تلقین نہیں کی جاتی بلکہ اس کے ساتھ ہم آواز ہو کر صدائے فغاں کو مزید پُر اثر بنانا ہوتا ہے۔ رونے والوں میں اضافہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس مصیبت کو درک کرنے والوں کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرنا ہوتا ہے۔

یہ گریہ و بکا اور عزاداری سیاسی مقصد رکھتی ہے' عام مصیبت کی مانند

نہیں۔ اس مدعا پر چند دلائل درج ذیل ہیں۔

(۱) اس مدعا کی بین دلیل وہ کثیر روایات ہیں جو اس طرح رونے کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں۔

(۲) وہ روایات بھی اس مدعا پر دلیل ہیں جو امام حسین کے غم میں خود رونے اور دوسروں کو رلانے کے اجر و ثواب کے بارے میں ملتی ہیں۔

(۳) وہ روایت جس میں امام حسینؑ کے غم میں رونے جیسی شکل بنانے کو بھی انتہائی اجر و ثواب کا ذریعہ بتایا گیا ہے ہمارے مدعا پر بہترین دلیل ہے۔

امام خمینیؒ اسی روایت سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"امام حسینؑ کی عزاداری ایک سیاسی عمل ہے۔"

(۴) امام محمد باقرؑ نے وصیت فرمائی اور ایک خاص رقم ان لوگوں کے لئے مخصوص کی جو آپؑ کی شہادت کے بعد منیٰ میں ایامِ تشریق میں ان پر گریہ وزاری کریں۔

مختصر یہ کہ امام حسینؑ اور ائمہ معصومینؑ کی یاد میں منائی جانے والی عزاداری ان شخصیات کے فراق پر گریہ وزاری کا نام نہیں، بلکہ اس کا مقصد ان کی مظلومیت کا پرچار کرنا اور ظالم کے چہرے سے نقاب اٹھانا ہے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ظالم سے مظلوم کا حق بازیاب نہ کرا لیا جائے اور ظالم اپنے کیفرِ کردار کو نہ پہنچ جائے۔ لہٰذا عزاداری دراصل ظالموں سے نفرت کا اظہار اور ان کے خلاف رائے عامہ ہموار کرکے امت کو ان کے مقابل صف آراء کرنے کا نام ہے۔"

عزاداری کے اہداف

عزاداری کی ترویج و تشویق اور اس کے اجتماعات کے اہتمام کی تاکید پر مشتمل ائمہ معصومین کی احادیث کا بغور مطالعہ ہم پر عزاداری کے اہداف و مقاصد روشن کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے طریقہ اور سمت کی رہنمائی بھی کرتا ہے۔ آیئے ذیل کی سطور میں عزاداری کے مقاصد کا مطالعہ کریں' یہ مقاصد احادیثِ معصومین سے ماخوذ ہیں۔

(۱) عزاداری کے ذریعہ لوگ ائمہ معصومین سے وابستہ ہوں اور رہنمائی کے لئے صرف انہی ذواتِ مقدسہ کو تسلیم کریں۔

(۲) آلِ محمدؐ خصوصاً امام حسینؑ کے دشمنوں اور ان پر ظلم کرنے والوں سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو اور لوگ ان کے قاتلوں اور اس قتل و جفا پر راضی رہنے والوں سے نفرت و بےزاری کا اظہار کریں۔

(۳) لوگوں کے دلوں میں یہ حقیقت راسخ کی جائے کہ نماز' روزہ' حج' زکات' امر بالمعروف و نہی عن المنکر غرض تمام ارکانِ دین کی بقاء و ترویج اہلِ بیتؑ کی قیادت و سیادت ہی میں ممکن ہے۔ اور یہ کہ امام حسینؑ کی عظیم الشان قربانی کا واحد مقصد شریعت کی اساس و بنیاد کی بقا تھا۔

(۴) شیعوں کے درمیان بار بار فضائل و مناقبِ اہلِ بیتؑ کا بیان اور ان پر گزرنے والے مصائب کا تذکرہ بھی عزاداری کے مقاصد میں سے ہے۔ تاکہ اس طرح ان کے دلوں میں اہلِ بیتؑ سے محبت و مودت کے جذبات بیدار رہیں اور مزید پروان چڑھیں۔ اس مقصد کے لئے اپنے اپنے دورِ حیات میں ائمہ معصومینؑ خاص اہتمام کرتے تھے اور مخصوص ایام میں اپنے درِ دولت پر حاضر ہونے والے مومنین اور دوستدارانِ اہلِ بیتؑ کے سامنے امام حسینؑ کے مصائب بیان کرتے تھے۔ نیز مقامِ اہلِ بیتؑ سے آشنا پاکباز اور صالح شعراء کو اہلِ بیتؑ کے فضائل اور ان کے مصائب پر شعرگوئی کی ترغیب دیتے تھے۔

عزاداری ایک سیاسی عمل ہے

سخت ترین حالات اور انتہائی مشکلات میں بھی عزاداری کا اہتمام کرنے کے سلسلے میں ائمہؑ کا اصرار، اس کے بے حساب اجر و ثواب کا اعلان اور عزاداروں کے حق میں دعا وغیرہ، ان سب باتوں کا اصل مقصد لوگوں کے قلوب کو اہلِ بیتؑ کی طرف متوجہ کرنا اور اس طرح ان کے دلوں میں ولایتِ معصومینؑ کا بیج بونا ہے۔ لہٰذا عزاداری ایک محض تعبدی عمل نہیں اور نہ ہی رونے رلانے تک محدود ہے، بلکہ اس کا بنیادی مقصد سیاسی ہے۔ اس کی ایک دلیل امام محمد باقرؑ کی وہ وصیت ہے جس کے تحت آپؑ نے آٹھ سو درہم اس بات کے لئے مختص کئے کہ یہ کچھ خواتین کو دیئے جائیں جو ایامِ حج میں منیٰ میں فرشِ عزا بچھائیں اور ان کی مصیبت پر گریہ وزاری کریں۔ امامؑ کی اس وصیت میں تین نکات قابلِ توجہ ہیں۔

(الف) کسی پیغمبرؐ یا کسی امامؑ سے ایسی سفارش نہیں ملتی جس میں اس نے کہا ہو کہ اس کے بعد اس کی مصیبت کو یاد کیا جائے۔

(ب) ان خواتین سے یہ تاکید کہ ہماری مصیبت کا ذکر کیا جائے۔

(ج) خاص طور پر منیٰ میں یہ عمل انجام دینے کی تاکید۔

امامؑ کا عزاداری کے لئے ایامِ حج میں منیٰ کو منتخب کرنا خاص فلسفہ رکھتا ہے اور وہ یہ کہ ایامِ حج میں گوشہ و کنارِ عالم سے مسلمان سمٹ کر حج کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ عرفات اور مشعر ایسی جگہیں ہیں جہاں لوگ عبادت میں غرق ہوتے ہیں' یہاں اس بات کا موقع نہیں کہ عبادت کے علاوہ کوئی اور کام کیا جائے۔ لیکن منیٰ وہ مقام ہے جہاں حج کے لئے جمع ہونے والے لوگ خوشی اور مسرت کے عالم میں ہوتے ہیں' یہ ایام چونکہ ایامِ عید میں سے ہیں' ایسے میں اگر کسی خیمے سے رونے کی آواز بلند ہو تو ہر شخص اس جانب متوجہ ہو گا اور رونے کا سبب دریافت کرنا چاہے گا اور جب اسے رونے والے کی طرف سے اس گریہ وزاری کی وجہ معلوم ہو گی اور وہ جانے گا کہ یہ آہ و فغاں کس کے ظلم کے سبب ہے تو اس کے دل میں ظالموں سے نفرت جنم لے گی اور وہ یہ چیز حج کی دوسری سوغاتوں کی مانند اپنے علاقے کے لوگوں کے لئے لے جائے گا اور یوں اہلِ بیتؑ کی مظلومیت اور ان پر ظلم و ستم روا رکھنے والوں کے چہرے آشکارا ہوں گے۔

یہیں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عزاداری کا فلسفہ اہلِ بیتؑ کی حقانیت کی صدا دنیا بھر میں نشر کرنا' ان کے دشمنوں کے چہروں کو عیاں کرنا اور ان کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنا ہے۔

عزاداری کے سیاسی ہونے کی ایک اور دلیل اس سلسلہ کی روایات میں

استعمال ہونے والا ایک کلمہ "تباکی" (یعنی رونے جیسی صورت بنانا) ہے۔ عزاداری کی ترویج سے متعلق احادیث میں ملتا ہے کہ "جو شخص امام حسینؑ پر گریہ کرے، یا دوسروں کو رلائے یا رونے جیسی شکل ہی بنائے اس پر جنت واجب ہے۔"

بکا، ابکا اور تباکی شریف جرجانی نے اسے باب تفاعل سے لیا ہے۔ باب تفاعل ایسی صفت کے اظہار کے لئے استعمال ہوتا ہے جو موصوف میں درحقیقت نہیں پائی جاتی بلکہ وہ صرف اس کا اظہار کرتا ہے۔ مثلاً تغافل کا اظہار کرنے والا غافل نہیں کہلاتا لیکن وہ ظاہر ایسے کرتا ہے جیسے غافل ہو۔ اسی طرح تجاہل کا اظہار کرنے والا شخص جاہل نہیں ہے لیکن اظہار جہل کرتا ہے۔

شیخ محمد عبدہ کے بقول "تباکی" بغیر تصنع و بناوٹ کے رونے جیسی شکل بنانے کو کہتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ "تباکی" ایسے شخص کے لئے کہا جاتا ہے جس کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے ہوں، جس کے لئے رونا مشکل ہو رہا ہو لیکن وہ مصیبت زدہ کی مصیبت سے متاثر ہے، اس کے حق میں ہے اور اس پر ظلم و تعدی ڈھانے والے سے نفرت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایسے شخص سے کہا گیا ہے کہ اگر وہ آنسو بہانے پر قادر نہیں تب بھی وہ گریہ کرنے والے لوگوں کے ساتھ آواز گریہ بلند کرے، مصیبت پر رو نہ سکے تو رونے جیسی صورت بنائے اور اس طرح مظلوم سے حمایت کا اعلان کرے۔

عزاداری کے لئے بنیادی نکات

یہاں ہم ان بنیادی نکات پر روشنی ڈالیں گے جن کو ملحوظ رکھتے ہوئے عزاداری منانی چاہئے۔

(۱) عزاداری کا اہتمام ان ہدایات کی روشنی میں ہونا چاہئے جو ائمہ اطہار علیہم السلام کی جانب سے اہداف عزاداری اور شعائر حسینیؑ کو زندہ رکھنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اور جو ہماری معتبر و موثق کتب میں پائی جاتی ہیں۔

(۲) غیبت امام زمانہؑ میں دین کے محافظ اور شریعت کے پاسدار، علماء اعلام اور مراجعین کرام ہیں۔ عزاداری کا انعقاد کرتے ہوئے ہمیں ان بزرگ حضرات کے طور طریقوں اور اسلوب و عمل کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ وہ کس طرح عزاداری کا انعقاد کرتے ہیں اور کن کن باتوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور کن باتوں کو ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۳) عزاداری میں ایسی چیزوں کی شمولیت کی روک تھام کرنی چاہئے جو کسی بھی پہلو سے ہمارے دین، ائمہ اطہارؑ کی شخصیات یا خود عزاداری کے ضعف و کمزوری کا موجب ہوتی ہوں۔ یا دوسروں کی نظر میں دین کی تضحیک و تمسخر کا سبب بنتی ہوں۔

(۴) عزاداری میں اللہ اور رسولؐ کے نزدیک اہلِ بیتؑ کے مقام و مرتبے کا ذکر ہونا چاہئے اور یہ بھی بیان ہونا چاہئے کہ ظالموں نے ان تمام مراتب و فضائل کو جاننے کے باوجود اہلِ بیتؑ پر مصائب کے پہاڑ توڑے۔ ظالمین کی نشاندہی ہونی چاہئے اور امام حسینؑ اور اہلِ بیتِ اطہارؑ پر ہونے والے مظالم بیان ہونے چاہئیں۔

(۵) عزاداری میں انقلابِ کربلا کی تاریخ کے تفصیلی تذکرے کے ساتھ ساتھ ظالم حکومتوں کے خلاف اہلِ بیتؑ کی تعلیمات اور ان کے عملی اقدامات کا ذکر بھی ہونا چاہئے اور اہلِ بیتؑ کے سیاسی کردار پر روشنی ڈالنی چاہئے۔

(۶) عزاداری کا منشاء یہ ہے کہ امام حسینؑ کی مظلومیت کا ذکر کر کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کے جذبات و احساسات کو ان کی طرف متوجہ کیا جائے۔ لہٰذا عزاداری کے دوران اہلِ بیتؑ کی مظلومیت کا زیادہ سے زیادہ چرچا کرنا چاہئے۔

(۷) عزاداری کے اجتماعات کے توسط سے اہلِ بیتؑ کے پیغام کو اور اسلام کی سربلندی کے لئے ان کی دعوت کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا چاہئے۔

کیا عزاداری

کو کسی اصول کا پابند کیا جاسکتا ہے؟

بعض حضرات عزاداری کو عشق و عقیدت کا مسئلہ قرار دے کر، بعض اسے ولائے اہلِ بیتؑ کا مظہر قرار دے کر اور بعض عقیدے کا مسئلہ قرار دیتے ہوئے اس میں رائج غلط رسوم و رواج کی اصلاح کی مزاحمت کرتے ہیں۔ اور اسے علماء و فقہا کے دائرہ اختیار سے باہر قرار دیتے ہیں، تاکہ اس طرح انہیں عزاداری کے سلسلے میں کسی اصول و ضابطہ کی پابندی نہ کرنا پڑے اور جس چیز کو ان کا دل چاہے عزاداری کے نام پر انجام دیں۔

بہرطور ایسے حالات کے ہوتے ہوئے بھی اور ایسے خیالات کے باوجود بھی فقہاء نے عزاداری کے بارے میں اظہارِ رائے سے گریز نہ کیا اور کہا کہ عزاداری کا انعقاد شرعی اصول و ضوابط کے تحت ہونا چاہئے، اس میں دینی احکام و قوانین کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو شرع کی حدود سے باہر ہو، ہو ہر مسئلہ کے بارے میں احکامِ شریعت پائے جاتے ہیں۔ ائمہ معصومینؑ نے بھی اپنا ماننے والا اسی کو تسلیم کیا ہے جو پابندِ شریعت ہو، ائمہؑ کا ہر اقدام خود شریعت کی حدود میں اور اس کے استحکام کی خاطر ہوتا تھا، خود امام حسینؑ کی تحریک بھی انہی شرعی اصولوں کی پاسداری کے لئے تھی اور آپؑ

دوران تحریک ان حدود و ضوابط سے سرِ مو باہر نہ نکلے اور آپؑ کے بارے میں ایسا تصور بھی ممکن نہیں۔ ایک موقع پر لشکرِ یزید سے خطاب کرتے ہوئے آپؑ نے فرمایا :

"کیا میں نے کسی حلالِ خدا کو حرام کیا ہے؟ کیا میں نے شریعت میں کوئی ردو بدل کیا ہے؟ اگر ایسا ہے تو تمہیں حق ہے کہ مجھے قتل کر ڈالو۔"

امامؑ کے ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ آپؑ کے نزدیک اصولِ شریعت کس قدر اہم تھے اور ان احکام کو پامال کرنے والے کا خون بہانا بھی آپؑ جائز سمجھتے تھے۔ لہٰذا کیونکر ممکن ہے کہ اسی امامؑ سے منسوب عزاداری میں غیر شرعی امور انجام دیے جائیں اور کوئی انہیں جائز سمجھے اور ان سے روکنے والے کو عزاداری کا مخالف اور امام حسینؑ کا دشمن قرار دے۔

عزاداری اور ثابت و متغیر قوانینِ شریعت

دنیا مسلسل تغیرات کا شکار ہے۔ ان تغیرات سے یہاں رائج نظام اور سماجی قوانین بھی محفوظ نہیں۔ خواہ یہ نظام و قوانین مذہبی ہوں یا غیرمذہبی' زمینی ہوں یا آسمانی۔

اس تجدد و تغیر کے بارے میں انسانی اذہان ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار رہے ہیں۔ بعض لوگوں کے مطابق موروثی اور قدیم قوانین ناقابلِ تغیر ہیں۔ لہٰذا وہ تمام تغیرات اور جدتوں کو ٹھکرا کر اپنے اسلاف کے متعین کردہ قوانین و ضوابط سے چمٹے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا تعلق خواہ مذہبی گروہوں سے ہو یا انسانوں کے بنائے ہوئے سیاسی نظاموں کے معتقدین سے' ان کا مقدر شکست و ناکامی ہے۔ ان مکاتیب میں سرِفہرست عیسائیت' مسلمان فرقوں میں سے سلفیہ اور شیعوں میں اخباری گروہ ہے۔ یہ گروہ ہر نئی چیز کو بدعت' غیر قانونی اور غیر شرعی قرار دے کر مسترد کرتے ہیں۔

دوسری طرف ان سے بالکل برعکس موقف بھی پایا جاتا ہے جس کے حاملین کے پاس کوئی اصول اور نظریہ ثابت' غیر متغیر اور دائمی نہیں۔ ان کا مکتب و مذہب ہر نئی چیز کو قبول کرنا ہے' وہ ہر جدید طریقے کو درست قرار دیتے ہیں۔ وہ کسی ثابت قانون کے قائل نہیں۔ ان کے پاس کوئی چیز مستقل اور کوئی اصول دائم نہیں۔ ان کے نزدیک کسی بھی چیز کی صحت کی کسوٹی اس کا تازہ ترین اور

جدید تر ہوتا ہے۔ اس نظریہ کے حامل افراد بطور کلّی تمام قدیم نظریات اور خاص کر ادیانِ سماوی کو چیلنج کرتے ہیں۔ سب قدیم افکار کو خواہ وہ فلسفی افکار ہوں یا مذہبی مسترد کرتے ہیں۔

اسلام ایک نظامِ حیات کے طور پر اپنا تعارف کراتا ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ اس میں موجود ثابت اور ناقابلِ تغیر اصول نئے پیش آنے والے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اسلام ہی ترقی یافتہ اور جدید دنیا میں انسانیت کی کشتی کا ناخدا ہے۔

درحقیقت اسلامی قوانین انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی مانند نہیں جو مخصوص حالات، خاص ماحول سے متاثر ہو کر اور محدود ذہنیت رکھنے والے انسان کے وضع کئے ہوئے ہوں اور جو حالات کے تغیرات سے متاثر ہو کر ادلتے بدلتے رہتے ہوں۔

اسلامی قوانین کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انہیں ہر دور، ہر زمانے کے انسانوں کے خالق اور تا ابد ان کی ضروریات سے آگاہ ہستی ربِّ جلیل نے نازل کیا ہے۔ اسلام کی نظر میں انسان کی انسانیت کوئی متغیر شے نہیں۔ بکثرت ایسی چیزیں موجود ہیں جو اس گیتی پر قدم رکھنے والے اوّلین انسان سے لے کر آج تک کے لوگوں کی یکساں ضرورت ہیں۔ انسان ہمیشہ ان کا محتاج رہا ہے اور رہے گا۔ مثلاً آزادی، عدل و انصاف ہر زمانے کے انسان کی ضرورت رہے ہیں۔ ہر دور کے انسان نے کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز اور انتہائی قدرت و طاقت کی حامل ہستی کے سامنے سجدۂ عبودیت بجا لانا اپنے لئے ضروری سمجھا ہے۔ تمام انسانی سماج ہر دور میں حکومت کے محتاج رہے ہیں وغیرہ وغیرہ ------ یہ ایسی چیزیں

حسینؑ کو روٹی کا ذریعہ بنائے ہوئے ہوں۔ اگر ان باتوں کو پیشِ نظر رکھ کر سامعین ذاکر کا چناؤ کریں تو یقیناً عزاداری سے موثر استفادہ کیا جاسکے گا۔

(۲) بانیانِ مجلس

مجلسِ عزاء کا اہتمام و انتظام کرنے والوں کو بانیانِ مجلس کہا جاتا ہے۔ مجلس کے وقت' جگہ' خطیب اور دوسرے تمام امور انہی کی صوابدید پر ہوتے ہیں۔ ان تمام امور کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے ضروری ہے کہ مقصدِ حسینؑ اور عزاداری کے ہدف کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

مجلسِ عزا بانیانِ مجلس کے پاس ایک امانت کی صورت ہے' جس کا صحیح صحیح مصرف ان کی ذمہ داری ہے اور اگر مجلس کا اہتمام لوگوں سے عطیات وصول کرکے اور ان کی مالی معاونت سے کیا جارہا ہو تب تو وہ لوگوں کی اس رقم کے بھی امین ہوتے ہیں اور ان کی ذمہ داری دوچند ہو جاتی ہے۔

کیونکہ مقصدِ حسینؑ کے ابلاغ میں بنیادی کردار خطیب کا ہوتا ہے اس لئے خطیب کا انتخاب کرتے ہوئے بانیانِ مجلس کو اس کی علمی صلاحیت اور ذاتی کردار کو دوسری تمام باتوں پر ترجیح دینی چاہئے۔ بانیانِ مجلس اس حقیقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ حسینؑ نے اسلام اور امتِ مسلمہ کی سربلندی اور مصلحتوں کی خاطر اپنی ہر چیز حتیٰ اپنی جان بھی قربان کردی اگر اپنی ذاتی پسند و ناپسند کو ایک طرف رکھ کر' اسلام و مسلمین کے مفاد کو پیشِ نظر رکھیں گے تو وہ یقیناً عزاداری کو مفید تر بنانے میں موثر کردار ادا کرسکتے ہیں۔

(۳) خطیب

عزاداری میں مرکزی کردار خطباء و ذاکرین کا ہوتا ہے' ذاکرین کو عزاداروں کے بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کا موقع ملتا ہے۔ ان کے لبوں سے نکلنے والا ایک ایک لفظ سامعین کے لئے انتہائی اہمیت کا حامل ہوتا ہے' ذاکرِ حسینؑ ہونے کے اعزاز کے سبب انہیں غیر معمولی عزت و تعظیم دی جاتی ہے۔ خطیب ہی عزاداری کا محور ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ذاکرینِ مجلس صحیح معنوں میں علم و فضل کے مالک اور صاحبِ کردار ہوں تو عزاداری کے غیر موثر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ایسے خطیب ہی امام حسینؑ کے مقاصد کو بیان کرسکتے ہیں' ان کے کردار کو واضح کرسکتے ہیں۔

نمایاں سماجی شخصیات

عزاداری کو صحیح راہ پر رکھنے اور اس کی اصلاح کے سلسلہ میں مذکورہ بالا تین بنیادی عناصر کے ساتھ ساتھ ایک اور طبقہ جو اس پلیٹ فارم سے موثر استفادے میں انتہائی ممد و معاون ثابت ہوسکتا ہے وہ مراجع عظام کے وکلاء' مقتدر علماء کرام' مدارس و حوزہ ہائے علمیہ کے سرپرست صاحبان اور متمول افرادِ ملت ہیں۔ اگر یہ حضرات عزاداری کے مقصد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کو درپیش پیچیدہ مسائل کا دلسوزی اور گہری نظر سے جائزہ لیں اور اپنے اپنے دائرہ اثر و اختیار میں اس بارے میں موثر اقدامات کریں تو عزاداری میں موجود خامیوں کو دور کیا جانا ممکن ہے۔

عزاداری اور خطیب

خطابت اس بیان کا نام ہے جو حکمت پر مشتمل مضبوط دلائل پر استوار اور جدالِ احسن ہو۔ ان خصوصیات کے ساتھ کلام کرنے والے کو خطیب کہا جاتا ہے۔ انبیاء و ائمہؑ نے اپنی دعوت حکمت، مضبوط دلائل اور جدالِ احسن کے ساتھ پیش کی۔ لہٰذا یہ منصب انبیاءؑ و ائمہؑ کے امتیازات میں سے ہے۔

لیکن دورِ حاضر میں خطابت دینی حلقوں میں ایک اجنبی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ علماء خطیب کو ایک جاہل کی مثل گردانتے ہیں۔ لہٰذا بڑے بڑے علماء خطابت سے گریز کرتے ہیں اور اپنے حلقۂ درس اور مدارس میں خطابت کو کوئی اہمیت دینے کو تیار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی اجتماع میں خطیب اور خطابات لاوارث ہیں، نہ اس پر مجتہدین کی توجہ ہے اور نہ ان کے نمائندے اس جانب متوجہ ہیں اور نہ ہی مدارس کے منتظمین اسے درخورِ اعتنا جانتے ہیں۔

مدارس اور حوزہ ہائے علمیہ سے اگر کسی وقت میں کوئی خطیب یا مقرر ظاہر بھی ہوا ہے تو اپنی خداداد صلاحیتوں اور ذاتی کوششوں کی بنا پر اس نے مقام پیدا کیا ہے، وگرنہ اس کی ان صلاحیتوں کو نکھارنے اور سامنے لانے میں ان اداروں کا کوئی کردار نہیں۔

ہمارے یہاں عزاداری کے اجتماعات سے خطاب کرنے والے خطباء میں سے شاذونادر ہی کچھ لوگ ایسے ہوں گے جنھوں نے دینی مدارس میں قدم رکھا ہو یا کسی عالمِ دین کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے ہوں۔ اکثر حضرات زبان و بیان پر خداداد گرفت یا خطابت کی مسلسل مشق و ریاضت کے نتیجہ میں مجلس سے خطاب کے قابل ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات مزاجِ شریعت، اصولِ عقائد، تفسیرِ قرآن، فرامین و سیرتِ معصومینؑ کی باریکیوں سے نابلد ہوتے ہیں۔ ان کا سرمایہ معلومات صرف اردو زبان میں لکھی یا ترجمہ کی گئی چند کتب یا معروف مقررین کی تقاریر پر مشتمل ہوتا ہے، جسے وہ اپنی ذاتی صلاحیتوں اور کوششوں سے مختلف انداز میں ترتیب دے کر سامعین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں نہ خطابت سکھانے کے لئے باقاعدہ اور اچھے ادارے ہیں اور نہ ہی اس جانب توجہ دینے والے اور خطابت کی صورتِ حال پر دلسوزی کے اظہار سے آگے بڑھ کر اس شعبہ کی اصلاح کرنے والے۔ دینی مدارس خطابت کو اپنے نصاب میں کوئی جگہ نہیں دیتے، ان کے یہاں اس سلسلہ میں کوئی انتظام نہیں۔ ان حالات میں جو لوگ اپنی ذاتی کدوکاوش سے خطیب بن گئے ہیں اہلِ علم و دانش اور دینی اربابِ حل و عقد کے نزدیک ان کا کوئی مقام نہیں، ان کے مسائل سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ان کی ضروریاتِ زندگی کے بارے میں کوئی فکر نہیں کرتے۔ اس کے باوصف ان خطیبوں کے بانیانِ مجلس سے حقِ زحمت طلب کرنے کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں، انہیں اس بنا پر بُرا بھلا کہتے ہیں۔ اور اگر یہ خطیب خود کو بانیانِ مجلس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں اور حقِ زحمت ان

کی خواہش پر رکھ دیں تو وہ رکشہ، ٹیکسی یا تانگے کا کرایہ ادا کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور وہ بھی بسا اوقات ڈرائیور یا کوچوان کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں۔

اب آپ خود سوچئے کہ جب عزاداری کو رونق بخشنے والوں، اسے سمت و جہت دینے والوں کے ساتھ یہ سلوک ہو تو عزاداری کیوں کر اپنی صحیح راہ پر چل سکتی ہے۔ کیونکر موثر ہو سکتی ہے اور کس طرح فروغ پا سکتی ہے؟

پھر ہوتا یہ ہے کہ ایسے خطیب اپنی زبان دانی کی خداداد صلاحیت اور مختلف حیلوں ہتھکنڈوں اور اثر و رسوخ استعمال کر کے خطیبوں کی صفِ اوّل میں آنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس صف میں آکر پھر اپنی مرضی سے معاوضہ اور مراعات طلب کرتے ہیں اور اپنی حیثیت قائم رکھنے کے لئے پھر ہر وہ کام کرتے ہیں جو ان کی عوامی مقبولیت کو برقرار رکھے، پھر یہ لوگوں کو بے عملی کی ترغیب دیتے ہیں، انھیں دینی احکام و حدود سے بے اعتنائی کا سبق سکھاتے ہیں ------

ذاکرینِ حسینؑ اور اجرِ رسالت

قرآنِ کریم کی آیات کا ایک سلسلہ اس باب میں ہے کہ انبیاءؑ نے تبلیغِ رسالت کے عوض اجر و معاوضہ کو شدت کے ساتھ مسترد کیا ہے۔ انہی آیات کو بنیاد بنا کر بعض لوگ معاوضہ طلب کرنے والے ذاکرین کو دین فروش اور تاجرانِ خونِ حسینؑ کا لقب دیتے ہیں۔ جب کہ حق و انصاف یہ نہیں کہ ہم کسی ایک آیت، ایک ہستی کی سیرت یا ایک فتویٰ کو سامنے رکھ کر باقی حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے کسی کے خلاف فیصلہ صادر کر دیں۔ بلکہ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کا بنظرِ غائر جائزہ لے کر کوئی فیصلہ کیا جائے۔ اس بارے میں چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔

(۱) سب سے پہلے تو خود یہ بات واضح ہونی چاہئے کہ تبلیغِ رسالت میں اجر لینا کیوں درست نہیں؟ یہ کس حکم و فلسفہ کی بنیاد پر ہے؟

(۲) شریعت میں بکثرت چیزیں واجبات میں داخل ہیں۔ کیا بعض واجبات کی ادائیگی کے لئے اجر طلب کرنا جائز ہے اور بعض کے لئے نہیں؟ اگر ایسا ہے تو وہ کونسی واجبات ہیں جن کے لئے اجر طلب کرنا ناجائز ہے؟

(۳) سیرتِ معصومینؑ میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جب ائمہؑ نے ذکرِ حسینؑ کرنے والوں کو اجر و انعام سے نوازا ہے۔ اگر یہ عمل فعلِ حرام ہے تو ائمہؑ نے یہ انعام کیوں دیا؟ اگر کہا جائے کہ یہ انعام تھا' اجرت نہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ ائمہؑ نے انعام دینے سے بھی کیوں احتراز نہ کیا؟ کیونکہ بہرحال اس سنت کے ایک باقاعدہ رسم بن جانے کا خدشہ تو موجود تھا ہی اور ائمہؑ اس بات پر بھی قادر تھے کہ یہ اجر و انعام کسی اور موقع پر کسی اور عنوان سے انہیں عطا کر دیتے۔

(۴) کیا دینی حلقوں میں واجبات پر معاوضہ لینے کی رسم رائج نہیں؟ نمازِ جماعت' مدارسِ دینیہ کے مدرسین' اموات کی تجہیز و تکفین' غسلِ میت' دفنِ میت وغیرہ کے لئے بھی اجرت طلب کرنا حرام ہے' لیکن کیا یہ چیزیں ہمارے یہاں مفت میں انجام دی جاتی ہیں۔ بتائیے وہ کونسے امامِ جماعت ہیں جو بغیر پیسہ لئے جماعت پڑھاتے ہیں' کہاں غسل و کفن' تجہیز و تکفین بلا معاوضہ ہوتی ہے۔ کون سے مدارس کے اساتذہ بغیر شہریہ کے یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔

لوگوں کو حلال و حرام کے مسائل بتانا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو لوگوں کو توضیح المسائل بلاقیمت ملنی چاہئے۔

لہٰذا ذاکرین کے خلاف اس قسم کا فتویٰ صادر کرنا' نہ دین سے لگاؤ کی دلیل

ہے اور نہ ہی عشقِ حسینؑ ہے۔ بلکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ صورتحال کا صحیح صحیح ادراک کرتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے کر دینی حلقے کوئی ایسا لائحہ عمل ترتیب دیں جس کے ذریعہ مسئلہ کا حل نکل سکے۔ اس سلسلہ میں ذیل میں بیان کی جانے والی تین صورتیں سامنے آتی ہیں۔

(الف) ہر فردِ مسلمان اپنے اندر ان واجبات کی ادائیگی کی صلاحیت پیدا کرے۔ یعنی ہر فرد تجہیز و تکفین کر سکے، خطابت کر سکے، نماز جماعت پڑھا سکے، مدرسِ دینی بن سکے۔ یہ بات طائرانہ نظر سے ہی ناممکن نظر آتی ہے۔

(ب) یا پھر ذاکرین اور خطیبوں پر تنقید نہ کی جائے، وہ جو چاہیں کریں ان پر اعتراض نہ کیا جائے۔

(ج) یا پھر کسی ایسے ادارے کی تشکیل عمل میں لائی جائے جو مذہبی امور انجام دینے والوں کی ضروریاتِ زندگی کو بطریقِ احسن پورا کرے اور وہ براہِ راست عوام سے اپنی ضروریات کے لئے مطالبہ نہ کریں۔

اور ظاہر ہے کہ یہ تیسری صورت ہی ایسی ہے جس پر اگر عمل درآمد کیا جائے تو نہ صرف عزاداری بلکہ پورے دینی نظام کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

خطیب اور موضوع کا انتخاب

دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر خطباء و ذاکرینِ مجلس اپنی تقریر کے موضوع کے انتخاب میں غور و فکر اور توجہ سے کام نہیں لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قدر تقاریر و اجتماعات کے باوجود امام حسینؑ کے مقصد کی ترویج و اشاعت بڑی حد تک غیر موثر رہی ہے۔

خطیب حضرات اپنے شخصی میلان کے تحت یا سہل انگاری کی بنا پر اپنے پاس پہلے سے تیار موضوع پر خطاب پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان اجتماعات کے مقصد اور عزاداری کے فلسفہ کو مدِنظر نہیں رکھتے۔ اگر ہم ایامِ عزاء میں تقاریر کے موضوعات کا جائزہ لیں تو مجموعی طور پر ذاکرین و خطباء کی تقاریر مندرجہ ذیل چند موضوعات ہی پر موقوف ہوتی ہیں۔

(۱) خطباء کا ایک بڑا گروہ ایامِ عزا میں منعقد کی جانی والی مجالس میں فضائل و مناقبِ اہلِ بیتؑ کے بیان کو دوسرے موضوعات پر مقدم قرار دیتا ہے۔ اور صرف انہی کے بیان پر اکتفا کرتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اہلِ بیتؑ کے فضائل اس قدر بے حساب ہیں کہ اگر تمام مخلوقاتِ جہان اہلِ بیتؑ کے فضائل بیان کریں تب بھی یہ سلسلہ ختم نہ ہو۔ لہٰذا ہمیں ہر موقع پر انہی کا تذکرہ کرنا چاہئے۔ عزاداریٔ سید الشہداءؑ کے اجتماعات ان مواقع میں سے ایک ہیں لہٰذا ہمیں یہاں بھی انہی موضوعات کو پیش کرنا چاہئے۔

(۲) خطیب حضرات کا دوسرا گروہ وعظ و نصیحت، امربالمعروف و نہی عن المنکر اور ان کے ضمن میں مسائلِ فقہیہ پر زور دیتا ہے۔ یہ حضرات اس موضوع کو دوسرے موضوعات پر مقدم قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے یہ دلیل لاتے ہیں کہ امام حسینؑ امربالمعروف و نہی عن المنکر اور احکامِ الٰہی کی ترویج و فروغ کی راہ میں شہید ہوئے ہیں لہٰذا مجالسِ عزائے حسینؑ میں صرف انہی موضوعات کو زیرِ بحث لانا چاہئے۔

(۳) بعض خطیبوں کی گفتگو کا محور مسالک و مذاہب کا تقابل اور دوسرے مذاہب اور فرقوں پر تنقید، اور مناظرے و جدال کی صورت میں اپنے مذہب کی حقانیت

کو ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ عزاداری کے اجتماعات ہی کو بہترین پلیٹ فارم قرار دیتے ہیں۔

(۴) ایسے خطیب و مقررین جو دورِ حاضر کی سائنسی ترقی سے متاثر ہیں اور جن کا کہنا ہے کہ آج کا جوان ہر چیز کی سائنسی توجیہ طلب کرتا ہے اور عزاداری کے اجتماعات میں نوجوانوں کی بھاری تعداد شریک ہوتی ہے لہٰذا ہمیں ان اجتماعات میں مذہب کو بھی سائنسی پیمانوں کے ذریعہ ثابت کرنا چاہئے۔ وہ دیگر موضوعات کی نسبت اسلام اور سائنس کی سازگاری کے موضوع پر خطاب کو ترجیح دیتے ہیں۔

ہمیں مذکورہ بالا موضوعات کو اپنی تقاریر میں زیرِ بحث لانے والے خطیبوں کے حسنِ نیت پر کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ ہی ہم اپنے اپنے مقام پر ان موضوعات کی افادیت کے منکر ہیں۔ یہ تمام موضوعات اپنی اپنی جگہ پر اہمیت کے حامل ہیں۔ لیکن جب امام حسینؑ کے نام پر منعقد کی جانے والی مجالس میں کوئی موضوع بیان کیا جائے تو اس کا امام حسینؑ کی تحریک اور ان کے مقاصد سے مربوط ہونا ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر مجالسِ حسینی میں ایسے موضوعات پر خطاب کرنا چاہئے جو امام حسینؑ کی تحریک اور ان کے مقاصد کی تقویت کا باعث ہوں۔ عقلِ سلیم بھی اسی امر کی تائید کرتی ہے۔ مثلاً نزولِ قرآن سے منسوب اجتماع میں امیرالمومنینؑ کی ولادت کا حال، یا امیرالمومنین کے یومِ ولادت پر بعثتِ پیغمبر کا قصہ، شبِ عاشور کے اجتماع میں فتح مکہ کا حال کسی طور مناسب نہیں۔ بقول شاعر

"ہر سخن موقع و ہر نقطہ مقامے دارد"

اگر ائمہ معصومینؑ کے ان فرامین کا مطالعہ کیا جائے جو عزاداری کے انعقاد

کے مقصد اور فلسفہ پر مبنی ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات "عزاداری کا مقصد "تحریکِ کربلا کو زندہ رکھنا" قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا ان اجتماعات میں ہونے والے خطاب بھی امام حسینؑ کی تحریک ہی سے مربوط ہونے چاہئیں۔ عزاداری سید الشہداءؑ کے فلسفہ اور حکمت سے صحیح معنوں میں بھرپور استفادے کے لئے مندرجہ ذیل موضوعات ہمارے خیال میں انتہائی مفید ثابت ہوسکتے ہیں۔

(۱) اصل واقعہ کربلا کو بیان کرنا

عزاداری کے اجتماعات میں واقعہ کربلا کو معتبر تاریخی حوالوں کی روشنی میں بیان کیا جائے' غیر صحیح اور لغو باتوں کے بیان سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ یہ ایک امرِ مسلّمہ ہے کہ کسی واقعہ میں لغویات کی آمیزش اور تحریف کی صورت میں اس کی حقیقت اور ماہیت بدل کر رہ جاتی ہے اور اس مقصد کو نقصان پہنچتا ہے جس کے حصول کے لئے یہ واقعہ وجود میں لایا گیا ہوتا ہے۔

بد قسمتی سے ہماری مجالس میں قصے گڑھنے والوں اور جعلی روایات بنانے والوں کو کھلی چھٹی حاصل ہے اور وہ طرح طرح کی بے بنیاد باتوں کو جن میں سے بعض خود امام حسینؑ اور معصومینؑ کے شایانِ شان بھی نہیں ہوتیں بلا روک ٹوک ان سے منسوب کرکے بیان کرتے ہیں۔ جب کہ اس قسم کی باتوں کی اصلاح کرنے والوں' جھوٹی اور غلط روایتوں سے واقعہ کربلا کو محفوظ رکھنے کے خواہشمندوں کو دم مارنے کی بھی اجازت نہیں' ان پر کڑی اور سخت تنقید کی جاتی ہے اور انہیں عزاداری کا دشمن تک قرار دے دیا جاتا ہے۔ گویا لغویات کے فروغ کے دروازے کھلے ہوئے ہیں اور اصلاح کے دروازے مکمل طور پر بند۔

لہٰذا واقعہ کربلا کو تحریف اور فراموشی سے بچانے کے لئے بھرپور توجہ کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل دو طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں۔

☆ خطیب و مقرر حضرات صرف وہی واقعات بیان کریں جو مسلّم اور قابلِ اعتبار تاریخی کتب میں درج ہوں اور دورانِ خطابت ان کتب کا مکمل حوالہ دینے کی رسم ڈالیں۔

☆ سامعین کو خطیب سے سوال کا اختیار دیا جائے اور سامع بھی خطیب کی بات توجہ سے سنیں اور اگر انہیں مقرر کی کوئی بات نئی یا انوکھی محسوس ہو تو اس سے سوال کر کے اپنی الجھن رفع کریں۔

(۲) امام حسینؑ کی تحریک کا مقصد بیان کیا جائے

واقعہ کربلا کو صحیح صحیح تاریخی ماخذ سے بیان کرنے کے بعد دوسرا مرحلہ اس سے درست نتیجہ اخذ کر کے امام حسینؑ کے حقیقی مقصد و مدعا کو بیان کرنے کا ہے۔ کیونکہ ضروری نہیں کہ واقعہ سننے والے تمام لوگ صحیح نتیجہ تک پہنچیں اور سب پر امام حسینؑ کا ایک ہی مقصد واضح ہو۔ کیونکہ کسی اقدام کا مقصد جاننے کے لئے اس اقدام کے ساتھ ساتھ اور دوسری چیزوں سے واقفیت بھی لازم ہوتی ہے۔ مثلاً حضرت محمد مصطفیٰؐ نے حجۃ الوداع سے پلٹتے ہوئے غدیرِ خم کے مقام پر حضرت علیؑ کو دونوں ہاتھوں پر بلند کر کے فرمایا کہ "من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ" اس واقعہ اور اس فرمانِ نبویؐ کو تمام مسالک و فرق کے مسلمان قبول کرتے ہیں۔ لیکن اس کی تفسیر و توجیہ کے بارے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے۔ شیعہ اس سے مراد حضرت علیؑ کی امامت و ولایت کا اعلان لیتے ہیں، جب

کہ اہلِ سنت کے نزدیک اس سے مراد حضرت علیؑ کو دوست رکھنے اور ان سے محبت کرنے کی تاکید ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ محض تاریخ کو نقل کردینا ہی کافی نہیں بلکہ تاریخی واقعہ کی صحیح تفسیر و توجیہ ازبس ضروری ہے۔

دوسرے تاریخی واقعات ہی کی مانند' واقعہ کربلا بھی غلط تفاسیر کا شکار ہوا۔ جب دشمن اصل واقعہ کو محو نہ کرسکے اور ائمہ معصومینؑ کی حکمتِ عملی کے نتیجہ میں یہ واقعہ نسلاً بعد نسلٍ فراموش نہ کیا جاسکا تو غلط تفاسیر کے ذریعہ اس واقعہ کو غیر موثر بنانے کے حربوں کو شدت کے ساتھ اختیار کیا گیا۔ مثلاً کسی نے اسے دو قبیلوں کی جنگ قرار دینے کی کوشش کی' کسی نے امام حسینؑ کی شہادت کا مقصد امتِ مسلمہ کے گناہوں کی بخشش قرار دیا۔ یعنی یہ کہا کہ امام حسینؑ نے اس لئے جامِ شہادت نوش کیا ہے تاکہ روزِ قیامت امتِ محمدیؐ کی شفاعت کرسکیں۔ نیز کسی نے کہا کہ امام حسینؑ نے سعادت اور کمال کے بلند درجات کے حصول کے لئے شہادت کو گلے لگایا۔ کسی نے یہ تفسیر کی کہ کیونکہ یزید نے امامؑ سے مطالبہ بیعت کیا اور امام کی خاندانی غیرت و حمیت اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ یزید کی بیعت کریں لہٰذا امامؑ نے گردن جھکانے کو گردن کٹانے پر ترجیح دی۔ اور بعض محققین نے امام حسینؑ کی تحریک کا مقصد بازیابی خلافت و امامت قرار دیا ہے۔۔۔۱

بنا برایں ضروری ہے کہ واقعہ کربلا کی درست تفسیر اور امام حسینؑ کی تحریک

۱۔ ان تفاسیر پر تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب "تفسیر عاشورا" میں روشنی ڈالی ہے نیز ہماری تالیف "تفسیر سیاسی قیامِ امام حسینؑ" کا مطالعہ بھی حقیقت کے متلاشیوں کے لئے مفید رہے گا۔

کے حقیقی مقصد کو لوگوں تک پہنچایا جائے۔

(۳) اسلام کو بطورِ نظام متعارف کرانا

امام حسینؑ کا جہاد نظامِ اسلام کی برقراری کے لئے تھا، جب کہ یزید نظامِ جاہلیت کے نفاذ کے لئے مصروفِ کار تھا۔ لہٰذا امام حسینؑ کے نام پر اور ان کی تحریک و انقلاب کو دائم و قائم رکھنے کے لئے بپا کی جانے والی مجالس میں اسلامی نظام کی خوبیوں اور افادیت کو اجاگر کرنا ایک اہم موضوع ہونا چاہئے۔ کیونکہ از روئے شریعت نظامِ اسلام کے سوا باقی تمام نظام، نظامِ جاہلیت ہیں لہٰذا اگر کبھی خدا نخواستہ مجالسِ عزا کے ذریعہ اسلام کے سوا دوسرے نظاموں کی ترویج ہو یا ایسے لوگوں کی تشہیر کی جائے جو نظامِ اسلام کے قائل نہیں بلکہ اس کے مخالف و مزاحم ہیں تو جان لیجئے کہ ایسی مجلس امام حسینؑ کے مقاصد کے خلاف ہے۔

(۴) اسلام دشمنوں کی سازشوں سے آگاہ کرنا

اسلام دشمن قوتیں مسلسل مسلمانوں کے خلاف برسرِپیکار ہیں۔ اکثر ان کے حملوں کی زد پر اسلامی تعلیمات ہوتی ہیں نیز اسلام کے خلاف ان کی درپردہ سازشیں بھی جاری رہتی ہیں۔ لہٰذا خطیب اور مقرر حضرات کو چاہئے کہ وہ ان سازشوں سے اپنے سامعین کو باخبر رکھیں اور اگر معارفِ اسلامی میں سے کسی کو حملے کی زد پر دیکھیں تو اس کا موثر دفاع کریں اور لوگوں کے سامنے دلائل کے ساتھ حقیقت بیان کریں۔

(۵) مغربی ممالک میں

عصرِ حاضر میں مغرب نے اسلام کے خلاف ایک بھرپور مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس کے ذرائع ابلاغ اسلامی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرنے میں مصروف ہیں۔ لہٰذا ان ممالک میں بسنے والوں کے سامنے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو وضاحت کے ساتھ دلائل و براہین کے ہمراہ اور خود ان ہی کی زبان میں سمجھانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایسے ممالک میں مجالس کے خطیب حضرات اسلامی فرقوں کے امتیازات اور ان کے مابین پائے جانے والے اختلافات کے تذکرے کی بجائے مغربی دانشوروں کی طرف سے اسلام کے خلاف اٹھائے جانے والے اعتراضات کے مسکت جواب پیش کریں اور اسلامی تعلیمات کا دفاع کریں۔

(۶) مسئلہ قیادت

امام حسینؑ کی یزید سے کوئی ذاتی پرخاش نہ تھی بلکہ آپؑ اسے اس کے فسق و فجور اور ظلم و جبر کی بنا پر اسلامی قیادت کے لئے نااہل تصور کرتے تھے۔ آپؑ نے اپنی تحریک کے دوران جا بجا اسلامی حکومت کے قائد و رہبر کی خصوصیات کو بیان کیا ہے۔ قیادت کا مسئلہ صرف اسی دور تک محدود نہ تھا بلکہ یہ رہتی دنیا تک انسانی سماج کے ساتھ ساتھ ہے اور ایک دائمی ضرورت ہے۔

چنانچہ مجالسِ عزاء میں بغیر کسی تعلق و تعصب کے ایک صالح قائد کی خصوصیات اور اس کے لئے لازم صلاحیتیں بیان کی جائیں۔ کسی کو خاص پارٹی یا خاص گروہ کی نسبت کی بنا پر قیادت کا اہل سمجھنے کے رجحان کی بیخ کنی کی جائے اور اسلام نے قیادت کا جو معیار فراہم کیا ہے اسے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے

اور عملی دنیا میں بھی صرف اسی بنیاد پر کسی کو اپنی قیادت کے لئے منتخب کیا جائے۔

(۷) اتحادِ امت کو ملحوظ رکھنا

آخر میں ایک اہم ترین بات جو عزادارانِ حسینؑ بالخصوص خطیب اور مقرر حضرات کو ملحوظ رکھنی چاہئے وہ یہ ہے کہ امام حسینؑ کا احترام و تعظیم کسی ایک فرقہ، کسی ایک مسلک کے ماننے والوں ہی میں محدود نہیں۔ بلکہ تمام اہلِ اسلام انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، امامؑ سے عشق و عقیدت رکھتے ہیں، یزید کے مقابل انہیں حق بجانب سمجھتے ہیں۔

امام حسینؑ نے بھی اپنی تحریک کے دوران ہر مکتبہ فکر کے انسانوں کو دعوت دی اور مدد کے لئے بلایا۔

لہذا امام کی عزاداری مناتے وقت بھی ہمیں اتحادِ امت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایسی تقاریر سے اجتناب کرنا چاہئے جو امت کی صفوں میں انتشار اور مسلمانوں کے درمیان افتراق و اختلاف کا سبب ہوں۔

افسوس غیر ذمہ دار خطیب بجائے لوگوں کو امام حسینؑ کے پرچم تلے لانے اور ان کے عقیدت مندوں میں اضافہ کرنے کے، ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں اور ایسی متنازع گفتگو کرتے ہیں جو لوگوں کو امامؑ سے دور کرنے کا سبب بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عزاداری مذہب حقہ کی ترویج کی بجائے، تبلیغ دین میں رکاوٹ بن رہی ہے اور سال بہ سال مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر غیر ذمہ دار عناصر کی طرف سے عزاداری میں یہ حرکتیں نہ ہوں تو دیکھئے گا کہ یہ پلیٹ فارم دین کی تبلیغ اور مذہب کے فروغ میں کس قدر موثر اور کامیاب ثابت ہوتا ہے۔

واقعہ کربلا کی حقیقت کو محفوظ رکھنا

زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات میں خلافِ واقع چیزوں کی آمیزش ہوتی رہتی ہے' کوئی بھی تاریخی واقعہ تحریف کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہا۔ اس کی حقیقت جاننے کے لئے علماء و محققین کی تحقیقات سے استفادہ ناگزیر ہوتا ہے۔

کبھی کبھی غیر حقیقی آمیزش اصل واقعہ پر غالب آجاتی ہے' مختصر سی حکایت طویل داستان کا روپ دھار لیتی ہے' چند صفحات پر مشتمل حقیقت دسیوں کتب میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس بہت سے حوادث و واقعات کو ایامِ تاریخ ہضم کرچکے ہیں' ان کے بارے میں محض چند اوراق صفحاتِ تاریخ میں ملتے ہیں۔

جس طرح دوسرے تاریخی واقعات میں حقیقت اور غیر حقیقت مخلوط ہوچکی ہے اسی طرح واقعہ کربلا جو زبانی نقل یا تحریری اسناد کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے' تحریف اور خلافِ واقع چیزوں کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہ سکا۔

کسی بھی واقعہ کی حقیقت چند صورتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ صورتیں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوتی ہیں متصادم نہیں۔ واقعہ کربلا کے تناظر میں ہم

حقیقت کی ان صورتوں کو نکتہ وار پیش کرتے ہیں۔

(۱) حقیقتِ قولی

کسی واقعہ میں ہونے والی گفتگو کو حقیقتِ قولی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ایسے کلمات جو واقعہ کربلا کے دوران اس میں شامل افراد کی زبانوں سے جاری ہوئے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کلمات حقیقت پر مبنی اور واقعتاً ان افراد کی زبانوں سے ادا ہوئے ہیں تو ان کلمات کو حقیقتِ قولی کہا جائے گا۔

(۲) حقیقتِ فعلی

وہ افعال جو واقعہ میں لوگوں سے سرزد ہوئے ہوں، جیسے وہ کارنامے جو میدانِ کربلا میں وقوع پذیر ہوئے ہوں۔ یا وہ افعال جو اس واقعہ کے دوران انجام دیے گئے ہوں۔ مثلاً تاریخ نگاروں نے تحریر کیا ہے کہ امام حسینؑ خیمے سے باہر تشریف لائے ------ حضرت علی اکبر گھوڑے پر سوار ہوئے، لشکر پر جھپٹے ------ وغیرہ۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ واقعہ اسی طرح وقوع پذیر ہوا ہے تو اس کو حقیقتِ فعلی کہیں گے۔

(۳) حقیقتِ ذہنی

بسا اوقات انسان اپنی کوئی بات چہرے کے تاثرات کے ذریعہ واضح کر رہا ہوتا ہے۔ اگر ایسے موقع پر وہ کوئی گفتگو نہ بھی کرے تب بھی دیکھنے والے اس سے مطلب اخذ کر لیتے ہیں اسے حقیقتِ ذہنی کہتے ہیں۔

واقعہ کربلا کے دوران بھی بہت سے ایسے مواقع پیش آئے جب اس واقعہ

کے کرداروں نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن ان کے انداز و اطوار دیکھ کر تاریخ نویسوں نے ازخود جملے ترتیب دیئے۔

(۴) حقیقتِ حالی

عام انسان کو جس قسم کے حالات درپیش ہوتے ہیں وہ اس کے چہرے مہرے سے عیاں ہوجاتے ہیں۔ اگر اسے کوئی صدمہ پہنچا ہوتا ہے تو وہ غمناک اور افسردہ نظر آتا ہے اور اگر اسے کوئی خوشی و راحت نصیب ہوتی ہے تو اس کے چہرے سے شادمانی ظاہر ہوتی ہے۔

پورے واقعۂ کربلا کے دوران امام حسینؑ نے کسی ایسے ضعف و ناتوانی کا اظہار نہ کیا جس سے دشمن کو خوش ہونے کا موقع ملے۔ بلکہ آپؑ کے چہرے پر مسلسل سکون وانبساط رچا رہا اور آخر وقت میں جب آپؑ نے دشمن پر حملہ کیا تو آپ کے چہرہ پر بشاشت و طمانیت نمایاں تھی۔ امامؑ کی یہ کیفیت عام لوگوں سے بالکل مختلف تھی۔ اور اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ دوسرے لوگوں کے نزدیک تکالیف اور موت ناگوار چیزیں ہیں جب کہ امامؑ کی نظر میں مصائب درجات کی بلندی کا زینہ اور موت شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے کا ذریعہ بن رہی تھی، آپؑ بہت جلد اپنے محبوبِ حقیقی سے ملنے والے تھے۔

افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے ذاکرین اور خطباء حضرات ایسے مواقع پر امام حسینؑ کی ایک ایسے مایوس اور خستہ حال بوڑھے شخص کی سی تصویر کشی کرتے ہیں جس کی مسلسل غم واندوہ سے کمر ٹوٹ چکی تھی۔ بے معرفت اور لاابالی نوجوان جس قسم کی باتیں کرتا ہے ایسی ہی باتوں کی شبیہ رسولؐ فرزندِ رشید امام

حسینؑ حضرت علی اکبرؑ کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ اور حضرت عباسؑ کو ایک جنگجو کی سی حیثیت میں پیش کرتے ہیں جو (نعوذ باللہ) ہر لمحہ مخالفین کو پھاڑ کھانے پر تیار رہتا ہے۔ جس قسم کی باتیں اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ بلکہ دنیاوی طور پر بھی بے سواد خواتین کرتی ہیں ویسی ہی باتیں خاندانِ عصمت و طہارت کی پروردہ خواتین کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

عزاداری کی بقا و دوام' واقعہ کربلا کے ثمرات سے موثر انداز میں مستفیض ہونے اور مقاصدِ حسینؑ کے ابلاغ کے لئے ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ واقعہ کربلا جس طرح رونما ہوا تھا اسے ویسا ہی خالص حالت میں محفوظ رکھا جائے۔ اس کی قولی اور فعلی حقیقتوں کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ ذہنی اور حالی حقیقتوں کو بیان کرتے ہوئے یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ وہ امام حسینؑ اور اہلِ بیتؑ عصمت و طہارت کی توہین کا سبب نہ بنیں' انہیں ایک ایسے عام انسان کی مانند پیش نہ کریں جو مصائب و مشکلات آپڑنے یا دنیاوی مال و متاع چھن جانے پر بے صبری اور آزردگی کا اظہار کرتا ہے۔ جب کہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ امامؑ ایک انتہائی ارفع مقصد کے لئے یہ قربانیاں پیش کر رہے تھے' یہ مصائب جھیل رہے تھے اور از خود غاصب حکمراں سے مقابلے کے لئے نکلے تھے۔

عزاداری اور تحریفات

عزاداری سید الشہداؑ میں تحریف کے اسباب اور اس کی بعض مثالوں کے ذکر سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ خود لفظ تحریف کے معنی و مفہوم بیان کر دیں تاکہ واقعہ کربلا میں ہونے والی تحریف کی نوعیت اور اس کی اہمیت قارئین پر روشن ہو جائے۔

تحریف کی تعریف

تحریف حرف سے ماخوذ ہے، حرف کے معنی کنارے کے ہیں۔ کلمہ کی تین اقسام ہوتی ہیں اسم، فعل اور حرف۔ حرف وہ کلمہ ہوتا ہے جو مسند ہوتا ہے اور نہ مسند الیہ واقع ہوتا ہے۔ بلکہ کلام کے ایک طرف ہوتا ہے اور محض ربط کے کام آتا ہے۔ اسی مناسبت سے ہر اس چیز کو جو وسطِ کلام یا قلبِ کلام میں واقع نہ ہو بلکہ اس کے کسی کنارے پر واقع ہو "حرف الشی" کہا جاتا ہے۔

کنارے پر واقع چیز عام طور پر حوادث و آفات کا شکار رہتی ہے۔ لشکر کے کنارے پر موجود افواج یا مویشیوں کے گلہ میں کنارے پر چلنے والے جانور دشمن کے حملوں کی زد پر رہتے ہیں۔

الغرض ہر وہ چیز جو کسی ایک طرف میں واقع ہوا سے حرف کہا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی بھی حقیقت' کلام' شخصیت یا تاریخی واقعہ کو اس کے اصل مقام' اس کی اصل راہ سے ہٹا کر کسی ایک طرف دھکیل دینے' کسی ایک کنارے لگا دینے کے عمل کو تحریف کہا جاتا ہے۔ یہ عمل عام طور پر جہل' خود غرضی' یا وقتی منفعت کے حصول کے جذبہ کی بنا پر سرزد ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم اس انحراف کی مذمت میں فرماتا ہے کہ۔

"اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی عبادت ایک ہی رخ پر اور مشروط طریقے سے کرتے ہیں کہ اگر ان تک خیر پہنچ گیا تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر مصیبت چھو گئی تو دین سے پلٹ جاتے ہیں' یہ دنیا و آخرت دونوں میں خسارے میں ہیں۔" (سورہ حج ۲۲۔ آیت ۱۱)

کیونکہ آیت کی رو سے ان کی یہ پرستش صرف ایک پہلو یعنی دنیاوی خیر و خوبی کے حصول کے لئے تھی لہٰذا جب انہیں کوئی نقصان پہنچتا ہے تو خدا کی پرستش سے ہاتھ روک لیتے ہیں اور شکوہ شکایت زبان پر لاتے ہیں۔ جب کہ خداوندِ عالم بندوں سے اپنی مکمل عبودیت کا تقاضا کرتا ہے اور ہر حالت میں صرف اپنی ہی پرستش کی دعوت دیتا ہے' خواہ وہ ابتلاء و آزمائش میں مبتلا ہوں' خواہ انہیں راحت و خوشی میسر ہو۔

کسی کلام میں تحریف دو قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) اصل کلام ہی کو بدل ڈالنا۔ یعنی اصل الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ رکھ دینا۔

(۲) کلام وہی رکھنا لیکن اس کے معنی بدل ڈالنا۔

شریعتِ الٰہی میں تحریف کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے قرآنِ کریم تحریف

کے ان دونوں مصادیق کا یوں تذکرہ کرتا ہے۔

"محرفون الکلمہ عن مواضعہ"

"یہ لوگ کلمات کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔"

(سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۱۳)

"وقد کان فریق منهم یسمعون کلام اللہ ثم یحرفونہ من بعد ما عقلوہ"

"(حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلامِ خدا (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو (جان بوجھ کر) بدل دیتے ہیں۔"

(سورہ بقرہ ۲۔ آیت ۷۵)

یہود نے اسلام سے مقابلہ کی خاطر دین میں تحریف کا آغاز خود اپنی کتب میں تحریف سے کیا اور وہ مفاہیم اور بشارتیں جو پیغمبرِ اسلامؐ کی آمد سے متعلق ان کی کتب میں موجود تھیں ان کی غلط تفسیر کی اور انہیں خلافِ حقیقت معنی پہنائے۔ اور جب اس میدان میں انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ان کی تمام کوششیں نقش بر آب ثابت ہوئیں تو انہوں نے اسلام کی صفوں میں داخل ہو کر اس کی تعلیمات کو مسخ کرنے کا پروگرام بنایا۔ آج بھی مسلمانوں کو فہم و ادراکِ دین کے بارے میں جو مشکلات درپیش ہیں، ان کا بڑا سبب یہودیوں کی یہی ریشہ دوانیاں ہیں۔

اسلام پر تحریف کا حملہ صرف بیرونی عناصر کی جانب ہی سے نہیں ہوا بلکہ یہ وار اسے اپنے نادان دوستوں اور کم فہم ماننے والوں سے بھی سہنا پڑا ہے۔ اور شومیٔ قسمت کہ یہ تحریف دین کی غیر اہم چیزوں ہی میں نہیں ہوئی بلکہ جس چیز کو

دین میں جس قدر اہمیت حاصل تھی اسی قدر اس میں تحریف کی کوشش کی گئی۔

لہٰذا انقلاب کربلا جو شریعتِ محمدیؐ کے احیاء اور اسے محفوظ رکھنے کی خاطر برپا ہوا تھا اور عزاداریٔ امام حسینؑ جو اس انقلاب کو دوام دے کر ہمیشہ ہمیش کے لئے اسلام کی حفاظت و پاسداری کے لئے ایجاد ہوئی تھی تحریف کے شدید ترین حملوں کا نشانہ رہی۔ اس سلسلہ میں ایک طرف تو معاندین نے واقعاتِ کربلا کو مسخ کرکے، ان میں من گھڑت اور جعلی واقعات کو سمو کر، اس واقعہ کی تاریخی حیثیت کو مشکوک بنانے اور اس کے عظیم ہیرو حسین ابنِ علیؑ کی شخصیت کو کمزور دکھانے کی کوشش کی اور دوسری طرف اس انقلاب کے ایسے مقاصد و محرکات پیش کرکے جن کا حقیقت سے دور دور کا بھی واسطہ نہ تھا اس انقلاب کو غیر موثر بنانے کی کوششیں کیں۔ اور ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں نے عزاداری کو بھی متاثر کیا کیونکہ عزاداری واقعہ کربلا اور اس کے محرکات و مقاصد کے بیان کے ذریعہ امام حسینؑ کی تحریک کو ہمیشہ زندہ رکھنے کا نام ہے۔ لہٰذا عزاداری بھی اپنی اصل راہ سے ہٹنے لگی، اس میں عجیب و غریب اضافات ہونے لگے، جو نہ کسی طرح مقامِ معصومینؑ کے شایانِ شان تھے اور نہ امام حسینؑ کے مقاصد و اہداف کی ترویج کے لئے موثر۔ حد یہ ہے کہ اب عزاداری جو حسینیؑ تحریک کو زندہ رکھنے کا ایک وسیلہ تھی خود ایک مقصد بن گئی ہے اور اس کے ذریعہ امام حسینؑ کے مقاصد کے حصول کا مقصد فراموش کیا جا چکا ہے۔

عزاداری میں انحراف کا آغاز کب اور کیسے ہوا؟

یہاں عزاداری سے ہماری مراد صرف اس کی رسوم نہیں بلکہ اس میں

مرثیہ خوانی' نوحہ خوانی' خطابت اور شبیہ سازی وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ البتہ عزاداری میں بنیادی کردار مقرر اور خطیب حضرات کا ہوتا ہے' باقی تمام چیزیں نوحہ' مرثیہ اور دیگر رسومات اسی خطابت کے زیرِ اثر ہوتی ہیں اور انہی مضامین کی روشنی میں انجام دی جاتی ہیں جو مقرر و خطیب عام طور پر بیان کرتے ہیں۔

اس بات کا تعین کرنا کہ واقعہ کربلا کے بیان میں تحریف کا آغاز کب سے ہوا اور مقررین نے کب سے خلافِ واقع باتیں واقعہ کربلا کے ساتھ منسوب کیں ہمارے لئے مشکل ہے۔ لیکن جہاں تک ہماری فکر کی رسائی ہے واقعہ کربلا میں تحریف کا آغاز اسی دن ہو گیا تھا جب سر برہنہ اہلِ حرم بازارِ کوفہ میں داخل ہوئے اور حضرت زینبؑ کے خطبات نے بازارِ کوفہ میں ہلچل مچادی جس کا ارتعاش دارالامارہ کے در و بام میں بھی محسوس کیا گیا۔ لہٰذا قاتلانِ حسینؑ نے امام حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری اپنے کاندھوں سے ہٹانی چاہی۔ چنانچہ جب سید سجادؑ اور حضرت زینب سلام اللہ علیہا دارالامارہ میں پہنچے تو ابنِ زیاد نے حضرت زینبؑ کو مخاطب کرکے کہا کہ۔

"اس خدا کا شکر کہ جس نے تم لوگوں کو ذلیل کیا اور تمہیں قتل کرکے تمہارے دعویٰ کی تکذیب کردی۔"

اس طرح اس کا مقصد امام حسینؑ کی شہادت کو غیبی عوامل کا نتیجہ اور قسمت کا لکھا قرار دے کر اپنے دامن کو اس سے بچانا تھا۔ رفتہ رفتہ زمانہ گزرنے کے ساتھ یہ فکر بعض جاہل لوگوں کے ذہنوں میں پختہ ہوتی چلی گئی اور وہ امام حسینؑ کی شہادت کو ایک غیبی فرمان کا نتیجہ سمجھنے لگے جس کی بجا آوری کے لئے لامحالہ امام حسینؑ کو میدانِ کربلا میں آنا تھا۔

اس طرح سے امام حسینؑ کے انقلاب اور آپؑ کی شہادت کے دوسرے اسباب پسِ پشت ڈالنے کی کوشش کی گئی۔

بنی امیّہ اور بنی عباس نے حسینی تحریک کو مسخ کرنے اور اس کے اثرات کو زائل و محدود کرنے کے لئے بہت سی تاریخی کہانیاں گڑھیں۔ لیکن ائمہ طاہرینؑ کی موجودگی میں ان کی تمام کوششوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

ائمہؑ نے عزاداری کے ذریعہ واقعہ کربلا کو محفوظ رکھنے کا بندوبست کیا۔ لہٰذا ائمہؑ ایامِ عزا میں ایسی مجالس کا اہتمام کرتے تھے جن میں کربلا کے واقعہ اور اس میں گزرنے والے مصائب کو کوئی مقرر بیان کرتا یا کوئی شاعر اس کے بارے میں اشعار پڑھتا۔ لیکن غیبتِ معصومؑ کے بعد آہستہ آہستہ واقعہ کربلا میں خلافِ واقع اضافات شامل ہونے لگے۔ کبھی کسی کا خواب اور کبھی کسی مقرر کی طرف سے زیبِ بیان کے لئے کہے گئے الفاظ معتبر روایت کی صورت اختیار کرگئے اور انہیں مقاتل و تاریخ میں تحریر کردیا گیا۔

علاوہ ازایں جب عزاداری متعدد خطوں اور مختلف معاشروں میں بپا ہونے لگی تو وہاں کے مقامی رسوم و رواج اور اظہار رنج والم کے طریقے بھی اس کا حصہ بن گئے۔ ممکن ہے ان میں سے بعض اضافے خلوص کے ساتھ کئے گئے ہوں لیکن بعد میں رفتہ رفتہ یہ عزاداری کا لازمی تقاضا بن گئے۔

ہمارے معاشرہ میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عزاداری میں تحریف اور اس میں بے جا رسوم و رواج کا اضافہ صرف برصغیر سے مخصوص ہے اور ایران اور عراق کی عزاداری اس تحریف سے محفوظ ہے' یہ سمجھنا خلاف حقیقت ہے بلکہ بعض علماء کا تو خیال ہے کہ ان انحرافات کی ابتداء وہیں سے ہوئی ہے۔

اس سلسلہ میں استاد شہید مرتضیٰ مطہری ""خطبہ اور منبر" کے عنوان سے اپنے مقالے میں نہایت پابندِ شریعت اور متقی عالمِ دین اور مرحوم شیخ عباس قمی کے استاد حاجی نوری علیہ الرحمہ کی کتاب "لولوو مرجان" کی تعریف کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

"اس کتاب کے مقدمہ میں وہ ایک ہندوستانی عالم کا نام بڑی عزت کے ساتھ لیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان صاحب نے مجھے خط لکھا اور اس میں ہندوستان میں مجلس و منبر کی جو صورت ہے اس کی شکایت کی اور لکھا کہ یہاں کے خطیب زیادہ تر جھوٹے قصے بیان کرتے ہیں۔

حاجی نوری کہتے ہیں کہ ان ہندوستانی عالم نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس سلسلے میں ایک کتاب لکھوں تاکہ ان لوگوں کی دروغ بافی کا سدباب ہوسکے۔

حاجی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ شاید ان ہندوستانی عالم کا خیال تھا کہ صرف ہندوستان ہی کے خطیب جھوٹے قصے بیان کرتے ہیں' عراق ایران میں ایسی دروغ گوئی نہیں ہوتی ہوگی اور وہاں صحیح اور معتبر روایات ہی بیان ہوتی ہوں گی' انہیں نہیں معلوم کہ جھوٹ کی اشاعت کا مرکز تو یہیں ہے اور یہیں سے جھوٹے قصے ہندوستان پہنچتے ہیں۔

اس کے بعد حاجی نوری کہتے ہیں کہ یہ سب قصور علماء کا ہے جو تنقید و اعتراض نہیں کرتے۔ اگر اہلِ علم سہل انگاری سے کام نہ لیتے' ان لوگوں کے صدق و کذب پر نگاہ رکھتے اور انہیں اکاذیب بیان کرنے سے روکتے تو خرابی اس حد تک نہ پہنچتی' یہ لوگ اس قدر جری اور بے

باک نہ ہوسکتے۔ اس طرح کے واضح جھوٹ نہ چھپا سکتے' مذہب حقہ امامیہ اس قدر تضحیک و استہزا کا ہدف نہ بنتا۔"

ایران سے نشر ہونے والا ایک عربی مجلہ الجہاد (شمارہ نمبر ۲۵۴ سفر المظفر ۱۴۱۵ھ) میں عزاداری میں تحریف کے بارے میں ایک وقیع مضمون شائع ہوا ہے۔ جس میں مضمون نگار عزاداری حسینؑ میں داخل کی جانے والی تحریفات اور ان کے ماخذ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

"عزاداری میں اضافات آل بویہ اور صفویوں کے دور اقتدار میں ہوئے۔ ان حکمرانوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے حصول اور عوام میں خود کو مقبول بنانے کے لئے عزاداری پر زیادہ زور دیا۔ ان کے دور اقتدار میں عزاداری میں بہت سے اضافے کئے گئے۔ علاوہ ازایں عزاداری میں تحریف (اور واقعہ کربلا میں جعلیات داخل کرنے کا) سبب ملا حسین کاشفی سبزواری کی تالیف "روضۃ الشہداء" ہے۔

ملا حسین کاشفی مشہور و معروف خطیب تھے۔ علم و فضل کے اعتبار سے بھی بڑے درجے پر فائز تھے۔ انتہائی خوش الحان اور دلکش آواز کے مالک تھے۔ انہوں نے کتاب "روضۃ الشہداء" تالیف کی۔ یہ کتاب آج سے پانچ سو سال قبل فارسی زبان میں لکھی گئی۔

اس کتاب میں انہوں نے امام حسینؑ اور واقعہ کربلا سے مربوط ایسے حوادث و واقعات کا ذکر کیا ہے جو اس سے پہلے کی کسی تاریخ میں نہیں ملتے۔ اس زمانے میں لوگ اس کتاب کو مجالس میں مقتل کے طور پر دیکھ کر پڑھتے تھے۔

ملا موصوف کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ ان کا مذہب کیا تھا۔ وہ شیعہ

تھے یا نہیں، بعض مورخین ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ موقع پرست قسم کے انسان تھے۔ جب یہ سبزوار (ایران) میں ہوتے تو خود کو شیعہ ظاہر کرتے تھے لیکن جب ہرات جاتے تو خود کو حنفی مذہب سے تعلق رکھنے والا بتاتے۔ یہ عبدالرحمٰن جعفی ہراتی کے عزیزوں میں سے تھے جو حنفی تھے۔ انہوں نے ۹۱۱ھ میں وفات پائی۔ ان کی مذکورہ تالیف "روضۃ الشہداء" نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کی، جس کا سبب اس میں مصائب سیدالشہداءؑ کا بیان ہے۔

کتاب ہذا میں ایسے واقعات کا ذکر ہے جو نہ تو کسی اور تاریخ میں ملتے ہیں اور نہ عقل ہی انہیں قبول کرتی ہے۔ بعد میں اس کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا، کیونکہ اس کتاب کا نام "روضۃ الشہداء" ہے اس بنا پر اس کے پڑھنے والے کو روضہ خواں کہتے ہیں۔ اس کتاب میں شہداء کربلا کے نام میں ایسے نام بھی ملتے ہیں جن کا وجود کسی اور تاریخ میں نہیں۔

"روضۃ الشہداء" کے بعد ملا دربندی کی کتاب "اسرار الشہادۃ" منظرِ عام پر آئی۔ ملا دربندی کے بارے میں علامہ شیخ عباس قمی اپنی کتاب "کنی و القاب" میں لکھتے ہیں کہ ملا دربندی جید علماء میں سے تھے، انہوں نے اصول، فقہ اور کلام کے بارے میں بہت سی کتب تحریر کی ہیں۔ لیکن جب سے انہوں نے خطابت اختیار کی معقولیت کی حدود سے خارج ہو گئے۔ انہوں نے "اسرار الشہادۃ" میں ایسے واقعات نقل کئے ہیں جن کا نہ تو کسی تاریخی کتاب میں ذکر موجود ہے اور نہ ہی عقل و منطق اسے قبول کرتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "عمر ابنِ سعد امام حسینؑ سے جنگ کے لئے سولہ لاکھ کا لشکر لے کر کربلا میں آیا۔" لیکن قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس نے سولہ لاکھ نفوس پر مشتمل یہ لشکر اکٹھا کہاں سے کیا؟

ایک اور مقام پر ملاّ دربندی نے روزِ عاشور امام حسینؑ کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کی تعداد نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ایک ہزار نو سو پچاس سے لے کر دس ہزار، یا پچاس ہزار، یا چار لاکھ یا پانچ لاکھ عدو صرف امام حسینؑ کے ہاتھوں مارے گئے۔" اور پھر اس شک و شبہ کے جواب میں جو اتنی بڑی تعداد کے صرف ایک امام حسینؑ کے ہاتھوں قتل کے بارے میں پیدا ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "یہ کوئی ناقابلِ فہم بات نہیں، کیونکہ امام حسینؑ محمدیؐ و علویؑ شجاعت کا مجموعہ ہیں اور یہ کہ پیغمبرِ اسلامؐ نے امام حسینؑ کو اپنی شجاعت عطا فرمائی تھی۔ نیز امام حسینؑ تمام انبیاءؑ، مرسلین، صلحا اور شہداء کی شجاعت کا مظہر ہیں۔ کیونکہ امام حسینؑ قدرت و طاقت میں ولایتِ مطلقہ کے حامل تھے اس لئے ان کو حاصل قوت چار لاکھ نفوس کی قدرت و طاقت سے کہیں بڑھ کر ہے۔"

اسی بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ "بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کیونکہ اس زمانے میں قتل تیر و تلوار سے ہوتے تھے اور ظہر سے مغرب کے درمیانی وقفہ میں ان ہتھیاروں سے اس قدر افراد کا مارا جانا ممکن نہیں ـــ اس اعتراض کا جواب بھی نہایت سہل ہے اور وہ یہ کہ خداوندِ عالم جو قدرتِ مطلقہ کا مالک ہے اس نے اپنا ہاتھ سورج پر رکھ دیا کہ وہ حرکت نہ کرسکے لہٰذا اس دن کی مدّت بہتّر گھنٹے ہوگئی تھی۔"

علامہ دربندی نے امام حسینؑ کے ہاتھوں مقتولین کی جس تعداد کا ذکر کیا ہے، نیز عاشور کے دن کو بہتّر گھنٹے پر مشتمل ہونے کی بات جسے انہوں نے اپنی دانست میں معتبر قرار دیا ہے، کیا ان کے اس دعویٰ کی توجیہ ممکن ہے؟

ہاں شاید کوئی یہ کہہ کر کہ ملاّ دربندی جیّد عالم اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں

لہٰذا ان کی بات کو مسترد نہیں کیا جا سکتا' ان پر اعتراض نہ کرے اور خاموش ہو جائے۔ لیکن یہ بات کسی بھی اصول کی رو سے درست نہیں کیونکہ کوئی کتنی ہی عظیم شخصیت کا مالک کیوں نہ ہو اس کی بات اسی وقت قابلِ قبول ہوگی جب وہ عقلی مسلّمات اور معتبر نقل سے ہم آہنگ ہو۔

نیز ان کا کہنا کہ دن بہتّر گھنٹے طویل ہو گیا تھا اور یہ بھی قبول کرتے ہیں کہ امامؑ نے ظہر سے مغرب تک کے دوران اس قدر افراد کو قتل کیا اگر یہ بات تسلیم کر بھی لی جائے اور حساب لگایا جائے تو ظہر سے مغرب تک کل ۳۵ گھنٹے ہوں گے۔ اس صورت میں پھر یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا ۳۵ گھنٹے میں اتنے زیادہ افراد کا قتل ممکن ہے؟

پھر یہ کہ قومِ عاد و ثمود کی نابودی نیز دوسرے چھوٹے چھوٹے حوادث تک جو دنیا کے کسی خطے میں واقع ہوئے ان کا ذکر کتب تاریخ میں ملتا ہے۔ تو پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ایسا حیرت انگیز' انتہائی غیر معمولی اور محیّر العقول واقعہ ظہور پذیر ہوا ہو جس سے نظامِ شمسی تک دگرگوں ہوا ہو وہ صرف ملّا دربندی اور ابنِ عصفور بحرانی (جس سے ملّا دربندی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے) کی کتاب کے سوا کسی بھی تاریخی کتاب میں نقل نہ ہوا ہے۔

نیز خداوندِ عالم کا ہر فعل مبنی بر حکمت ہوتا ہے لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے دن کو اس قدر طویل کیوں کیا؟ کیا امام حسینؑ کی جان بچانے کے لئے اس دن کو طول دیا؟ اگر ایسا تھا تو امام حسینؑ کیوں نہ بچے؟ اور اگر دن طویل کرنے کا مقصد اعداء کو ختم کرنا تھا تو پھر اعداء کیوں بچ گئے؟

آخری بات یہ کہ خدا نے انبیاءؑ کو مبعوث فرمایا' انہیں اپنی شریعت کی تبلیغ

کی ذمہ داری سونپی' تاکہ وہ فطری راہ پر چلتے ہوئے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کریں اور اسی طبیعی راستے سے دشمنانِ خدا شکست و ذلّت سے دوچار ہوں۔ انبیاءؑ نے بھی طبیعی راہیں اختیار کرتے ہوئے تبلیغ کا فریضہ انجام دیا۔ لیکن جہاں خدا نے سرکش اقوام پر قہر نازل کیا وہاں اپنے نمائندوں کو محفوظ رکھا۔ یہاں کربلا میں ایسا کیوں نہیں کیا؟

غرض ایسی ہی بہت سی خرافات ان کتب میں موجود ہیں جنہیں نقل کرنے اور جن پر تجزیہ و تحلیل کے لئے مزید کئی کتب کی ضرورت ہوگی۔ ہم اسے یہیں چھوڑتے ہیں۔ یہاں ہمارا مقصد تحریف کی تعریف' اس کی اقسام کا ذکر اور عزاداری میں ہونے والی تحریف کی طرف توجہ مبذول کرانا تھا۔

عزاداری اور خرافات

لغت میں جھوٹی بات کو خرافہ کہتے ہیں۔ ایسے عمر رسیدہ افراد جن کی عقل پیرانہ سالی کے سبب فاسد ہو چکی ہو ان کی باتوں کو بھی خرافہ کہا جاتا ہے۔
(معجم فلسفی۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۵۳)
کسی کی جانب فسادِ عقل کو منسوب کرنے کو بھی خرافہ کہتے ہیں۔ نیز ہر وہ چیز جس کی سند نہ مل سکے، جس کی تصدیق نہ کی جاسکے اس کو بھی خرافہ کہا جاتا ہے۔
خرافہ کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں ایک داستان بھی ذکر کی جاتی ہے اور وہ یہ کہ۔

"خرافہ' بنی عذرا یا بنی جوہرا سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کا نام تھا۔ جسے جنّات اغوا کر کے لے گئے تھے۔ جب ایک عرصہ بعد اسے جنات کی قید سے رہائی نصیب ہوئی اور وہ اپنی قوم میں پلٹا تو اس نے جنوں کی دنیا کی وہ باتیں جو اس نے وہاں دیکھیں تھیں لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیں۔ لوگوں نے اس کی محیّر العقول باتوں کو قبول نہ کیا اور انہیں لغویات قرار دیا۔

اس کے بعد جو بھی اس قسم کی باتیں کرتا اس کی ان باتوں کو "خرافہ کی

باتیں" کہا جاتا اور یوں اس شخص کا نام خرافہ ہونے کی وجہ سے ان تمام باتوں کو جو اس جیسی اور مہمل ہوتیں خرافہ کہا جانے لگا۔"

لہٰذا خرافہ سے مراد ہر وہ چیز، وہ فعل اور وہ عمل ہے جو کسی بنیاد پر قائم نہ ہو۔ اس کی نہ کوئی حقیقت ہو اور نہ اس پر کوئی دلیل۔

دورِ قدیم سے آج تک کے انسان خرافات کے قائل رہے ہیں حتیٰ ہر دور کے علماء و دانشور بھی بعض خرافات کے قائل ہوتے ہیں۔ اور حقائق سے ناآشنائی اور لاعلمی کی بنا پر کچھ باتوں کو اپنے پاس سے گڑھ لیتے ہیں۔ پھر زمانہ گزرنے کے ساتھ یہی فرضی اور جعلی باتیں ایک حقیقت کی شکل میں پیش کی جانے لگتی ہیں۔ بعض لوگوں کو خرافات سازی میں خصوصی مہارت حاصل ہو جاتی ہے، بلکہ یہ ان کا پیشہ بن جاتا ہے۔

امام حسینؑ کی تحریک و انقلاب کیونکہ باطل کے چہرہ پر ایک طمانچہ ہے، صرف یزید اور بنی امیّہ ہی پر نہیں بلکہ ہر دور کے ظالم و جابر، لادین حکمرانوں پر ایک کاری ضرب ہے لہٰذا ہر باطل نے امامؑ کی تحریک کو غیر موثر بنانے اور ان کے عقیدت مندوں کو اصل حقیقت سے دور رکھنے کے واسطہ ان کی یاد میں منائی جانے والی عزاداری میں خرافات کو رواج دیا۔ ان حالات میں اہلِ بیتؑ کے عاشقوں اور امام حسینؑ کے جانثاروں پر لازم ہے کہ وہ عزاداری میں داخل کی جانے والی خرافات پر نظر رکھیں اور ان کی روک تھام کریں۔ عزاداری میں رائج خرافات کی صورت کچھ یوں ہوتی ہے۔

(الف) ہر ایسا واقعہ جو تاریخ میں نہیں ملتا لیکن واقعاتِ کربلا کے ضمن میں بیان کیا جائے وہ خرافات میں سے ہے۔ ہمارے یہاں اس عمل میں بعض ایسے

خطباء بھی شریک ہو جاتے ہیں جو بظاہر اصلاح کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ مثلاً وہ جس بات کی تاریخی سند نہیں پاتے لیکن اسے بیان کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ہم نے اسے کسی معتبر کتاب میں تو نہیں دیکھا لیکن ایک بڑے عالم سے سنا ہے۔"

(ب) ہر وہ روایت یا حکایت جو عقلِ سلیم کے برخلاف ہو۔ وہ بھی خرافات میں سے ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ روزِ عاشورا امام حسینؑ نے ظہر سے عصر تک کے درمیان تین لاکھ دشمنوں کو قتل کیا۔ یا یہ کہنا کہ عاشورا کا دن بہتر گھنٹے کا تھا۔

(ج) ہر وہ بات جو آیاتِ قرآنی اور معتبر روایات سے متضاد ہو وہ خرافات ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ "امام حسینؑ نے آخری وقت میں ذوالفقار کو نیام میں ڈال لیا اور اپنے سینے کو پتھر و تیر و شمشیروں کے لئے پیش کر دیا۔" یہ عمل ان آیات و روایات کے خلاف ہے جن میں کہا گیا ہے کہ منافقین کے ساتھ جہاد کرو، دشمن کو موقع نہ دو، یا ان سے ہاتھ اٹھا کر خود کو ہلاکت میں مت ڈالو۔"

(د) ہر وہ بات جو کتبِ تاریخ میں تو ملتی ہے لیکن نہ تو اسے عقل تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی وہ منصبِ عصمت و طہارت کے شایانِ شان ہے مثلاً بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضرت علی اکبرؑ حضرت زینبؑ کو اپنی والدہ سمجھتے تھے، یا امام حسینؑ نے اشقیا سے فرمایا کہ مجھے ایک قطرۂ آب دے کر مجھ پر احسان کرو۔

(ج) ہر ایسی بات جو کسی کے خواب کی صورت میں نقل کی جائے مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ حضرت امام حسینؑ کے جسمِ اطہر پر کسی بات سے زخم لگا۔ یا فلاں خطیب یا ذاکر کی بات کے سبب سے امام حسینؑ کے جسمِ اطہر پر زخم آئے اور فلاں کے رونے سے وہ زخم مندمل ہو گئے ---- یہ سب باتیں خرافات پر مشتمل ہیں۔

اسلام کسی صورت خرافات و اوہام کو قبول نہیں کرتا' اس دین کے دستور قرآنِ کریم میں آٹھ سو گیارہ مرتبہ ایمان کی دعوت کو دُہرایا گیا ہے۔ حصولِ علم کی سات سو بیاسی مرتبہ تاکید کی گئی ہے' حصولِ معرفت کی انتیس مرتبہ۔ اگر علم و معرفت کے حصول کی تاکیدات پر مشتمل قرآنی ہدایات کو جمع کیا جائے تو ان کی تعداد بھی آٹھ سو گیارہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ اسلام جتنا زور ایمان پر دیتا ہے اتنا ہی زور علم و معرفت کے حصول پر دیتا ہے۔ لہٰذا کیونکر ممکن ہے کہ ایسا مذہب خرافات کو قبول کرے اور کس طرح مکتبِ تشیع کے پیروکار جو اسلامِ اصیل کے پاسدار ہیں خرافات کو پسند کر سکتے ہیں؟ اسے اپنے دین میں جگہ دے سکتے ہیں؟ جب کہ امام جعفر صادقؑ سے منقول ایک حدیث کے مطابق "شیعہ ایک طرف تو نورِ عقل سے لیس ہے' دوسری طرف نورِ ایمان اس کے ہمراہ ہے' تیسری طرف نورِ اہل بیتؑ اسے میسّر ہے اور چوتھی طرف وہ خود نورِ اہلِ بیتؑ کی طینت سے وجود میں آیا ہے۔"

لہٰذا مکمل طور پر نور و نورانیت میں غرق شیعہ کا فرض ہے کہ نہ صرف خود خرافات سے دور رہے' اپنے مذہب میں خرافات کو در آنے کا موقع نہ دے بلکہ ان کے خلاف مسلسل جنگ اور پیہم مبارزے کی حالت میں رہے۔ خرافات دراصل مذہب کے لئے سرطان کی سی حیثیت رکھتی ہیں۔

شعائرِ الٰہی اور عزاداری

شعائر' شعیرہ بروزن فعیلہ کی جمع ہے۔ شعیرہ شعر سے مشتق ہے جس کے معنی انسانی جسم پر موجود بال ہیں۔ شعر کا لفظ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ شعر میں بھی باریک استعارے اور تشبیہات استعمال کی جاتی ہیں جنہیں سرسری نگاہ سے نہیں سمجھا جاسکتا۔

شعور کا لفظ بھی اسی سے ماخوذ ہے کیونکہ شعور کے معنی علم و آگہی کے ہیں اور اس کا حصول بھی دقّتِ نظر کے بغیر ممکن نہیں۔

شعار کسی چیز کے اعلان اور تشہیر کو کہتے ہیں۔ اس لباس کو کہتے ہیں جو انسانی بدن سے بالکل چپکا ہوا ہو' شعار اس مخصوص نعرہ یا علامت کو بھی کہتے ہیں جسے میدان جنگ میں برسرِ پیکار مختلف لشکر اپنی شناخت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے جنگِ بدر میں مسلمانوں کا شعار (نعرہ) "یا منصور امت" تھا۔ یا جب امام زمانہ "ظہور فرمائیں گے تو ان کا شعار "یالثارات" ہوگا۔

شعار اور شعائر درحقیقت علامت یا نشانی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

شعائر اللہ یعنی وہ علامات اور نشانیاں جو خدا کی یاد دلائیں۔

شعائر مختلف اقسام اور صورتوں پر مشتمل ہوسکتے ہیں۔ مثلاً

(۱) لفظی شعائر۔ جو میدانِ جنگ یا مظاہروں میں الفاظ کی صورت میں ادا کئے جاتے ہیں۔

(۲) کتبی شعائر۔ ایسے شعائر جن کا اظہار لکھ کر کیا جاتا ہے۔

(۳) زمانی شعائر۔ یعنی وہ زمانے جو خاص تاریخی واقعات سے منسوب ہوں۔ جیسے "اشہر حرم" یعنی وہ خاص مہینے جن میں لوگ خانہ خدا کی زیارت کو جاتے ہیں۔

(۴) مکانی شعائر۔ یعنی وہ مقامات جو کسی خاص نسبت کی بنا پر قابلِ احترام ہوں جیسے صفا و مروہ۔

(۵) وجودی و عینی شعائر۔ جیسے راہِ خدا میں قربانی کے جانور۔

قرآنِ کریم میں تین شعائرِ الٰہی کا ذکر ہوا ہے۔

(۱) حج کے مہینے (۲) صفا و مروہ (۳) قربانی۔

تفسیرِ مجمع البیان میں شعائر کے معنی کے بارے میں گفتگو کے دوران مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔

- شعائر اللہ یعنی حدودِ الٰہی' خدا کے اوامر و نواہی' خدا کی طرف سے عائد کئے جانے والے فرائض و واجبات۔
- کسی شہر میں داخل ہونے کا مقام جہاں شہر کے حدود کا پتھر نصب کیا جاتا ہے۔
- مناسکِ حج۔
- صفا و مروہ۔
- قربانی کے جانور۔
- حج کا احرام۔

◉ حرم کے وہ حدود جہاں بغیر احرام کے داخل نہیں ہوسکتے وہ بھی شعائرِ الٰہی میں سے ہیں۔

تفسیر المنار میں محمد ابن عبدہ لکھتے ہیں کہ۔

"خداوندِ عالم نے اپنے بندوں کے لئے جو احکام لاگو کئے ہیں۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو انسان کے مصالح دنیوی کے پیشِ نظر وضع کئے گئے ہیں۔ انسان ان کے علل و اسباب سے واقف ہیں' ان کا درک کرنا انسانوں کے لئے چنداں مشکل نہیں۔

بعض احکام الٰہی محض تعبدات ہیں۔ یہ صرف اس لئے رکھے گئے ہیں تاکہ انسان کی بندگی کا اظہار ہوسکے۔ ان احکام میں سے بعض کے حقائق' باریکیاں اور علل و اسباب سے آگاہی انسانی فہم و شعور سے باہر ہے۔ انہیں صرف اس لئے قبول کرنا چاہئے کہ یہ مولا کا حکم ہیں۔ جیسے نماز کے دوران قبلہ رو ہونا' یا صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا۔"

یہاں پہنچ کر صاحبِ منار کہتے ہیں کہ شریعت میں ہمارے لئے جو تعبدات مقرر کئے گئے ہیں صرف وہی شعائرِ الٰہی ہیں۔ مزید کہتے ہیں کہ ان میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی ان کی مانند کوئی چیز بنائی جاسکتی ہے۔ اگر لوگوں کو یہ اجازت ہوتی کہ وہ اجتہاد کے ذریعہ شعائرِ الٰہی وضع کرلیں تو دورِ پیغمبرؐ سے اب تک نہ جانے کتنے شعائر بن چکے ہوتے اور پھر یہ معلوم کرنا بھی مشکل ہوجاتا کہ ان میں سے کون سا شعار پیغمبرِ اسلامؐ کا معین کیا ہوا ہے اور کونسا اجتہاد کی پیداوار ہے اور اس طرح اسلام بھی نصاریٰ کے دین کی مانند ہوتا۔"

علماء و فقہا نے آیات و روایات سے استنباط کرتے ہوئے شعائر اللہ کو عمومیت اور توسیع دی ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جس کا تعلق زمان سے ہو یا مکان سے، فعل ہو یا وجود ہو اگر وہ خدا کے وجود اور اس کے اوامر و نواہی کا مرکز ہو تو وہ شعائر الٰہی ہے۔ لٰہذا علماء مندرجہ ذیل چیزوں کو شعائر اللہ قرار دیتے ہیں :

(۱) کعبہ، مقامِ ابراہیم، زمزم، حجرِ اسود، صفا، مروہ، مشعر الحرام، منیٰ۔

(۲) طوافِ خانۂ کعبہ، نمازِ طواف، صفا و مروہ کی سعی، وقوفِ عرفات، وقوفِ مزدلفہ، وقوفِ منیٰ، نمازِ جماعت کا اجتماع، جمعہ، عیدین کی نماز اور تمام اوامر و نواہیِ الٰہی۔

(۳) اذان، ماہِ رمضان۔

(۴) میقات، حدودِ مکہ

(۵) شریعت کی طرف سے معین حلال و حرام۔

(۶) انبیاءؑ و ائمہؑ کے وجود اور ان کے بعد ان کے حرم، کیونکہ خداوندِ عالم نے پیغمبرؐ اور آپؐ کے گھر کے حدود کا احترام کرنے کی تاکید کی ہے۔ جیسے یہ فرامین کہ اپنی آواز کو پیغمبرؐ کی آواز سے بلند نہ کرو۔ پیغمبرؐ سے اس طرح گفتگو نہ کرو جس طرح اپنے جیسے عام لوگوں سے گفتگو کرتے ہو۔ پیغمبرؐ کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل نہ ہو۔ یہ تمام فرامینِ الٰہی اس بات کی دلیل ہیں کہ وجودِ پیغمبرؐ شعائر اللہ ہے۔

(۷) حجاج کعبہ میں ہدیہ کے واسطے جو حیوان اپنے ساتھ لاتے تھے یا وہ جانور جو منیٰ میں قربانی کے لئے لاتے تھے ان پر کوئی علامت یا نشانی لگادیتے تھے تاکہ لوگ انہیں تکلیف نہ پہنچائیں یا خود لانے والا اس جانب متوجہ رہے کہ یہ کعبہ

کے ہدیہ یا قربانی کے لئے ہے اس لئے اس پر ضرب نہ لگائے، ظلم نہ کرے، اذیت نہ پہنچائے۔ اس جانور کو بھی شعائراللہ کہا جاتا ہے اور اس کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔

کسی چیز کے اسلامی شعار بننے کے لئے چند شرائط ہیں۔

(۱) وہ چیز انسان کو خدا کے بارے میں تفکرو تدبر، غورو فکر کی دعوت دے۔

(۲) اس کی حقیقت اور سند قرآن و سنت کے ذریعہ ثابت ہو۔

(۳) اس سے یادِ خدا آتی ہو۔

(۴) وہ اہلِ اسلام کے لئے مرکزی نقطہ کی حیثیت کی حامل ہو۔ یعنی کسی اور چیز کو ویسا ہی منسوب کرنا منع ہو جیسے کسی اور مقام کو روضۂ رسولؐ یا حرمِ ائمہؑ قرار دینا یا کسی اور دن کو حج کا دن بتانا یا کسی اور مقام کو کعبہ قرار دینا۔

(۵) اس کی تعظیم و احترام اسلام کی سربلندی و عظمت کا موجب ہو۔

مذکورہ نکات کی روشنی میں شعائرِ اسلامی اور شعائرِ الٰہی کے حدود و ابعاد واضح ہوگئے ہیں۔ لہٰذا وہ چیزیں جو ان حدود کے تحت آتی ہوں شعائرِ الٰہی اور شعائر اسلامی ہیں اور جو چیزیں ان حدود میں نہ آتی ہوں انہیں شعائرِ الٰہی نہیں کہا جاسکتا۔

عزاداری شعائرِ اسلامی میں سے ہے

امام حسین علیہ السلام نے اپنے جہاد اور عظیم الشان قربانی کے ذریعہ تمام شعائرِ اسلامی کی حفاظت فرمائی اور اپنے پاکیزہ خون سے شجرِ اسلام کی آبیاری کی۔ اسلام اور شعائرِ اسلامی کو قصۂ پارینہ بننے سے محفوظ رکھا۔ اسی بناء پر کہا جاتا ہے

کہ سید الشہدا علیہ السلام مبقیہ اسلام ہیں۔ بلکہ اس سے کچھ اور بڑھ کر امام حسینؑ خود شعائر الٰہی میں سے ایک شعار بن گئے۔ اور یوں آپؑ کی یاد میں بپا ہونے والی عزاداری بھی شعائرِ دینی میں سے ہے۔ جس کی تعظیم اہلِ اسلام پر فرض ہے۔ لیکن یہ تعظیم کیوں کی جائے؟ اس بارے میں دو نکات نذرِ قارئین ہیں۔

(۱) ہر وہ چیز جو عظمت و بزرگی کی حامل ہو اس کی تعظیم کی جاسکتی ہے۔ لیکن ایسی چیز جو اس خصوصیت کی حامل نہ ہو اس کی تعظیم و احترام عبث اور نامعقول بات ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی یاد میں کانفرنس کا انعقاد کرے، تو اگر اس کے والدین کسی امتیازی مقام کے حامل نہ تھے، کوئی کارہائے نمایاں ان سے سرزد نہ ہوئے تھے تو اس کانفرنس کے خطیب اور مقرر حضرات ان کے بارے میں کیا گفتگو کریں گے؟ بس ان کی فاتحہ خوانی پر اکتفا کریں گے۔

(۲) ایسی چیز کی تعظیم درست اور بجا ہے جس کی تعظیم کا حکم شریعت کی جانب سے دیا گیا ہو۔

ان نکات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے شعائرِ حسینی کی تعظیم کے چند طریقے ہیں :

☆ ہدفِ حسینیؑ کی تعظیم

عزاداری کے توسط سے امام حسینؑ کی تحریک کے مقصد کی عظمت و بزرگی سے دنیا کو آشنا کریں۔ اور بتائیں کہ وہ ہدف کتنا عظیم ہوگا جس کے لئے امام حسینؑ نے قیام کیا۔ اس ہدف و مقصد پر مختلف پہلوؤں سے روشنی ڈال کر اس کی وضاحت کریں۔

☆ شعائرِ حسینیؑ کی تعظیم

واقعۂ کربلا کی یاد ہی شعائرِ حسینی ہے' اس واقعہ میں حسینی لشکر پر الٰہی رنگ چھایا ہوا تھا' امام حسینؑ کے تمام جاں نثار ساتھی صبغت اللہ میں رچے بسے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے یزید کے لشکر میں بعض حضرات کے دلوں میں نورِ ایمان جگمگا اٹھا اور وہ حسینی لشکر سے آملے۔ امام حسینؑ کی یاد میں منائی جانے والی عزاداری بھی اسی طرز پر ہونی چاہئے' اس پر بھی الٰہی رنگ غالب ہونا چاہئے' اس کے مراسم میں یہ خصوصیات ہونی چاہئیں کہ انہیں دیکھتے ہی خدا کی یاد آئے۔

★ شعائرِ حسینی میں عمومیت

شعائرِ حسینی کا ایک عنصر اس کا اسلامی پہلو ہے۔ اس حوالہ سے اس بات کو روشن و واضح کرنے اور ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ امام حسینؑ کا قیام عمومی تھا' امامؑ اسلام کی بقاء اور حفاظت کے لئے میدان میں اترے تھے' لہٰذا یہ عزاداری کسی خاص فرقے سے مربوط نہیں بلکہ پوری امت سے مربوط ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہئے جو اسے کسی ایک فرقے تک محدود کردے۔

☆ عظمتِ شریعت

عزاداری میں چوتھی چیز جس کی تعظیم از بس ضروری ہے وہ احکامِ شریعت کی تعظیم ہے اور احکامِ شریعت کی تعظیم' ان احکام کی پابندی اور ان کے رواج و نفاذ میں مضمر ہے۔

عزاداری کے مراسم

دین کی کمزوری کا سبب نہ بنیں

عزاداری کے بعض مراسم کو مجتہدین اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ دین کی کمزوری کا سبب نہ بنیں۔

قرآنِ کریم کی بعض آیات ضعف و کمزوری کو انسان کے نقص و عیب میں شمار کرتی ہیں۔ بعض آیات میں مومنین کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ ضعیف و کمزور نہیں ہوتے۔

جس طرح انسانی جسم ضعف کا شکار ہو سکتا ہے اسی طرح اس کی عقل اور اس کی روح بھی ضعف میں مبتلا ہو سکتی ہے۔

اگر جسم کمزور ہو تو انسان جسمانی مشقت سے عاجز ہوتا ہے' اس پر بیماریاں جلد مسلط ہو جاتی ہیں' موسمی اثرات اس کے لئے ناقابلِ برداشت ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اس کی عقل ضعف کا شکار ہو تو حق و حقیقت کی شناخت سے عاجز رہتا ہے' اچھائی برائی میں تمیز نہیں کر پاتا۔ اور اگر ایمان کمزور ہو تو دین کے بارے میں اٹھائے جانے والے شکوک و شبہات اس کے ایمان میں لغزش پیدا کر دیتے ہیں اور اسے انحراف کی راہ پر لگا دیتے ہیں۔

ہر انسان چاہتا ہے کہ اپنے اندر سے کمزوریاں ختم کر کے مجسمۂ کمال بن

جائے۔ لہٰذا حتیٰ الامکان اس کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی ایسی صورت پیش نہ آئے جو اس کی کمزوری کا موجب ہو۔

خداوندِ عالم نے انسان کو کمال کی انتہائی بلندیوں پر پہنچانے کے واسطے دینِ اسلام کو وسیلہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ لہٰذا دین کی کمزوری' دین کا ضعف کسی صورت گوارا نہیں ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا و مجتہدین اور علماء عظام فرماتے ہیں کہ نہ تو ہم خود دین کی کمزوری کا سبب بنیں اور نہ دوسروں کو اسے کمزور کرنے کا موقع فراہم کریں۔ چنانچہ عزاداری کے مراسم میں بھی ایسی چیزوں کا شمول جو دین کی کمزوری کا سبب ہوتی ہوں جائز نہیں۔

عزاداری اور وحدتِ اسلامی

عزاداری اپنی یا اپنے متعلقین کی مصیبت پر گریہ وزاری کا نام نہیں اسی طرح کسی کی مظلومیت دیکھ کر یا سن کر محض جذبات میں آنسوؤں کے چند قطرے بہا دینا بھی عزاداری نہیں۔ بلکہ عزاداری اس ذمہ داری کی ادائیگی کا نام ہے جو امام حسینؑ اپنے عزاداروں کے سپرد کر گئے تھے اور وہ ذمہ داری امامؑ کی مظلومیت کے بیان کے ذریعہ ان کے پیغام کا ابلاغ ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں عزاداروں کے پیشِ نظر دو انتہائی اہم نکات کا رہنا ضروری ہے۔

☆ دورِ حاضر کے انسانوں کے سامنے امام حسینؑ کا پیغام بیان کرنا، ان کی دعوت کا پرچم بلند کرنا۔

☆ امام حسینؑ کی مظلومیت کے اظہار کو ذریعہ و وسیلہ بنا کر انسانیت کو حسینیؑ پرچم تلے جمع کرنا۔

امام حسینؑ کا قیام اور کربلا کی جنگ صرف دو افراد حسینؑ و یزید کی جنگ نہ تھی، دو قبیلوں کا تصادم نہ تھا، کسی مفاد کے حصول کے لئے دو مفاد پرستوں کا ٹکراؤ نہ تھا، بلکہ یہ حق و باطل کے درمیان ایک معرکہ تھا۔ لہٰذا جب تک حق و باطل کا وجود ہے یہ جنگ جاری رہے گی۔ بقول علامہ اقبال۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بو لہبی

جب تک دنیا میں باطل کا وجود ہے اہلِ حق اس کی سرکوبی کے لئے کوشاں رہیں گے۔ جب تک سارے عالم پر اسلام کی حکمرانی قائم نہ ہوجائے گی یہ سلسلہ قائم رہے گا۔

باطل کی سرنگونی کے لئے قوت و قدرت کا حصول ایک لازی شرط ہے۔ للذا ہر وہ عمل جو اہلِ حق کی صفوں کو کمزور کرنے کا موجب ہو اور باطل کو موقع فراہم کرے' اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ قوت و طاقت کا ایک مظہر امتِ مسلمہ کا اتحاد ہے۔ چنانچہ اسلامی اتحاد کی برقراری اور اس کے قیام کی ضرورت سے صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا اور ظالمین سے مقابلہ کے لئے امتِ مسلمہ کے ہر طبقہ کے لوگوں کو متحد کرنا ضروری ہے۔

اگر امام حسینؑ کی تحریک کا جائزہ لیں تو خود آنجنابؑ نے یہی اسلوب اپنایا تھا۔ انہوں نے اپنی حرکت و قیام کے دوران امتِ اسلامی کے اتحاد کو پیشِ نظر رکھا اور تمام اہلِ اسلام کو اس جہاد میں شرکت کی دعوت دی۔ اہلِ بصرہ کے نام اپنے ایک خط میں آپؑ نے فرمایا کہ۔

"خدا نے حضرت محمدؐ کو اپنی مخلوق میں سے منتخب فرمایا اور انہیں نبوت و رسالت کا درجہ تفویض کیا۔ جب وہ انسانوں کی ہدایت اور اپنے فریضہ منصبی کو انجام دے چکے تو پھر انہیں اپنی بارگاہ میں بلوالیا۔ ہم ان کے اہلِ بیت" ولی' وصی اور وارث ہیں' ہم پوری ملت میں قیادت و رہبری کے دوسروں سے زیادہ اہل ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایک گروہ ہم پر

سبقت لے گیا اور ہمیں ہمارے حق سے محروم کردیا۔ ہم لوگوں نے بھی اپنی عظمت و منزلت، علم و آگاہی کے باوجود خاموشی اختیار کرلی تاکہ ملتِ اسلامیہ اختلاف و انتشار سے بچ سکے اور اسلام کا شیرازہ نہ بکھرنے پائے۔ میں نے مسلمانوں کے آرام و اطمینان کو اپنے حقوق پر مقدم رکھا۔

میرا قاصد تمہارے سامنے ہے، میں تمہیں کتابِ خدا اور سنتِ رسولؐ کی طرف دعوت دے رہا ہوں، بتحقیق سنت مٹ چکی ہے اور بدعت زندہ ہوچکی ہے۔ اگر تم میری بات کو قبول کروگے اور میری اطاعت کروگے تو میں تمہیں رشد وہدایت کی طرف لے جاؤں گا۔"

(تاریخِ طبری۔ ج ۴۔ ص ۲۴۰ اور مقتلِ مقرم صفحہ ۱۵۹)

امامؑ نے اس خط کے ذریعہ اہلِ بصرہ کو قیام و جہاد کی دعوت دیتے ہوئے انہیں یہ بات باور کرائی ہے کہ اس سے قبل اپنی حق تلفی کے باوجود انہوں نے امت کی صفوں کو انتشار و افتراق سے محفوظ رکھنے کے واسطے قیام وجہاد کا پرچم بلند نہ کیا تھا لیکن اب کیونکہ صورتِ حال انتہائی بگڑ چکی ہے اور اسلام کا وجود ہی خطرے سے دوچار ہے لہٰذا وہ امت کو قیام وجہاد کی دعوت دے رہے ہیں۔

پوری تحریک کے دوران امامؑ کا روئے سخن امتِ مسلمہ کی جانب رہا۔ آپؑ تمام مسلمانوں کو یزید کے فسق وفجور اور خلافتِ رسولؐ کے لئے اس کی نااہلی کی جانب متوجہ کرتے رہے۔ اس دوران آپؑ نے خلفاء ثلاثہ پر ہر قسم کی تنقید سے پرہیز کیا کہ مبادا یہ تنقید مسلمانوں کے مابین انتشار کا موجب ہوجائے۔ کیونکہ بہرحال اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو ان حضرات کو حق بجانب سمجھتے

تھے۔ آپؑ نے تمام مسلمانوں کو اپنی نصرت کے لئے طلب کیا اور ان کے سامنے یزید کا فسق و فجور عیاں کیا۔ لہٰذا آپؑ نے عبداللہ ابنِ عمر کو دعوت دی' عبداللہ ابنِ حرِ جعفی کو دعوت دی اور زہیر ابنِ قین آپؑ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپؑ سے آملے۔

ہمیں عزاداری مناتے ہوئے بھی اس مسئلہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور عزاداری کے اجتماعات میں امتِ مسلمہ کے ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو دعوت دینی چاہئے۔ اپنے اجتماعات میں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جو کسی دوسرے اسلامی فرقے کی دل آزاری کا موجب بنے۔ کیونکہ یہ طرزِ عمل عزاداری کی روح' فلسفہ اور حکمت کے برخلاف ہے۔

کیا دورِ حاضر میں ہماری عزاداری اس طرزِ عمل سے محفوظ ہے؟

کیا ہم تمام مکاتبِ فکر کے مسلمانوں کو عزاداری کے اجتماعات میں مدعو کرتے ہیں؟ مدعو کرنا تو دور کی بات ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم ان برادران کو عزاداری سے دور کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

کیا ہم نے اتنی گنجائش چھوڑی ہے کہ ہمارے مسلک سے باہر کا کوئی فرد عزاداری کے اجتماع میں بیٹھ سکے؟

کیا ہمارا یہ طرزِ عمل پیغامِ حسینیؑ کو محدود اور بالآخر مفقود کرنے کا موجب نہیں ہوگا؟

جب دوسرے لوگ ہمارے قریب آکر ہماری بات سنیں گے ہی نہیں تو اسے سمجھیں گے کیسے؟ اسے قبول کیسے کریں گے؟

لہٰذا امام حسینؑ کا پیغام عام کرنے کی غرض سے عزاداری کے اجتماعات کو

سب کے لئے قابلِ قبول بنانے کی ضرورت ہے اور یہ فریضہ تمام عزاداروں پر عائد ہوتا ہے خواہ وہ عزاداری کے منتظمین ہوں، مجلس کے سامعین ہوں یا علماء و خطیب ہوں۔

عزاداریؑ امام حسینؑ اور شبیہ سازی

آج کل کی عزاداری میں شبیہ سازی اور تمثیل کا بہت زیادہ رواج ہے۔ شبیہ سازی انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ نوعِ بشر کی ابتدائے حیات ہی سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ عمل مثبت اور منفی ہر دو طرح کے اثرات کا حامل ہے۔

عزادارانِ امام حسینؑ واقعہء کربلا کو محسوس شکل میں پیش کرنے کے لئے تمثیل سے کام لیتے ہیں اور اس واقعہ سے تعلق رکھنے والی مختلف چیزوں کی شبیہ بناتے ہیں۔ اس تمثیل اور شبیہ سازی کے مثبت اثرات سے استفادے اور منفی اثرات کے نقصانات سے محفوظ رہنے کے لئے مندرجہ ذیل معروضات ذہن میں رکھنا ضروری ہیں۔

◉ لغوی اعتبار سے کسی چیز کی مانند شے کو اس کی شبیہ کہا جاتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جس چیز کی شبیہ بنائی جاتی ہے وہ خارج میں ایک حقیقت رکھتی ہے یا رکھتی تھی۔ اور کبھی انسان اپنے ذہن میں تصور کرکے ایسی چیز کی شبیہ بھی بنالیتا ہے جو حقیقت کی دنیا میں کبھی موجود نہیں ہوتی جیسے عنقا کی شبیہ۔۔۔ا

ا عنقا ایک موہوم اور معدوم پرندہ ہے۔ جس کا ذکر موہومات کے تحت آتا ہے۔ اگر موجود ہے تو کسی نے نہیں دیکھا اور اگر معدوم ہے تو قصہ ہی ختم۔ محاورے میں عنقا اس چیز کو کہتے ہیں جو دیکھنے میں نہ آتی ہو۔(اردو انسائیکلوپیڈیا۔ ص ۷۰۹)

◉ ایسی شبیہ جو اپنے مشبہ بہ کی صحیح صحیح تصویر کشی کرے اسے کمالِ تشبیہ کہتے ہیں۔ ایسی شبیہ بالکل اصل کی مثل ہوتی ہے اور اکثر لوگ اسے اصل سے تمیز کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اور اس کے برعکس بھی ممکن ہوتا ہے اور شبیہ اپنی اصل سے مشابہت نہیں رکھتی۔

◉ بعض حقائق کی شبیہ سازی عقلاً محال ہے' کوئی ان کی شبیہ بنانے پر قادر نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی ایسا کرتا بھی ہے تو یہ اس کے فکر و عقیدہ کے ضعف کی علامت ہوتی ہے۔ مثلاً خدا کی شبیہ بنانا۔

◉ بسا اوقات شبیہ سازی انسان کا رابطہ اس چیز سے کمزور کرنے کا موجب ہو جاتی ہے جس کی شبیہ بنائی جائے۔ جیسے انبیاء کرامؑ اور ائمہ معصومینؑ کی شبیہ بنانا انسان کے جذبہ اور عقیدے کو سرد کر دیتا ہے۔

◉ بعض شبیہ سازیاں حرام ہیں جیسے عورت کا مرد بننا اور مرد کا عورت بننا۔ اسے فقہا حرام قرار دیتے ہیں۔

◉ شبیہ سازی بھی دوسرے فنون کی مانند ایک فن ہے' فن و ہنر جامد و راکد نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے۔ جوں جوں انسانی تاریخ آگے بڑھی ہے' قدیم فن فرسودہ اور آثارِ قدیمہ کی زینت بنتے گئے ہیں اور ان کی جگہ نئے فنون اور نئے اسالیب نے لے لی ہے' لہٰذا شبیہ سازی میں بھی جدّت طرازی کی ضرورت ہے اور کیونکہ عزاداری کا تعلق مذہب سے ہے اس لئے عزاداری میں رائج شبیہ سازی میں جدت پیدا کرنے کے لئے ہمیں مذہبی شخصیات کے نکتہ نظر کو اوّلیت دینا ہوگی۔

ہمارے یہاں برصغیر پاک و ہند میں عزاداری میں جو شبیہیں رائج ہیں ان

میں تابوت، علم، ذوالجناح، ضریح، عماریاں، کجاوے، حضرت قاسم ابن الحسنؑ کی مہندی کی شبیہ وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ بالا معروضات کی روشنی میں شبیہ سازی کے موقع پر ہمیں درج ذیل امور کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔

(الف) ان شبیہوں کو بنانے کی اجازت فقہا و مجتہدین دیتے ہیں، یا نہیں؟

(ب) جس شبیہ کو پیش کیا جا رہا ہے اس کی کوئی حقیقت واقعہ کربلا میں موجود ہے یا نہیں؟ یا ہم اسے محض ایک فرضی اور خیالی تصور کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ اگر یہ فرضی اور خیالی ہے تو کہیں اس کی شبیہ بنانے کے نتیجہ میں زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت تو سمجھی جانے نہ لگے گی۔

(ج) جس چیز کی شبیہ بنائی گئی ہے وہ حقیقت سے مشابہ ہے یا نہیں۔ کیا اس میں بہتری کی کوئی گنجائش موجود ہے؟

(د) یہ شبیہ جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہے اسے پورا کرتی ہے یا نہیں۔ کیا اس میں مزید بہتری پیدا کرکے اور اچھی طرح اس کے مقصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے؟

(ح) جو شبیہ بنائی گئی ہے وہ جذبۂ عشق و عقیدت کو پروان چڑھاتی ہے یا اسے سرد کرتی ہے؟

(و) حد سے زیادہ شبیہیں نہ ہوں کہ کثرت کی وجہ سے ان کی وقعت ہی نہ رہے محض نمائشی حیثیت اختیار کرلیں، اپنا اثر کھو بیٹھیں لوگوں پر رقت طاری نہ کریں۔

عزاداری میں اصلاح چاہنے والے

عزاداری کے مختلف ادوار کے ضمن میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ شروع شروع میں ائمہؑ کے ہاتھوں قائم کی گئی عزاداری کا طریقہ یہ تھا کہ نہایت سادہ انداز میں امام حسینؑ کے مصائب بیان کئے جاتے تھے' امام حسینؑ کے حرمِ مطہر پر حاضر ہو کر آپؑ کی یاد میں گریہ کیا جاتا تھا۔

اس کے بعد تاریخ نویسوں کے بقول جب آلِ بویہ کی حکومت کے دور میں عزاداری نئے رنگ ڈھنگ سے منائی جانے لگی' عمومی مقامات اور شارع عام پر عزاداری کے اجتماعات منعقد ہونے لگے' مختلف خطوں میں عزاداری پھیلنے کی وجہ سے ان خطوں کے رسوم و رواج اور رنج و الم کے اظہار کے طریقے بھی عزاداری میں شامل ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ طائرانہ نظر سے دیکھنے ہی سے پتہ چل جاتا ہے کہ بعض مراسم مثلاً ایران میں قمہ زنی' مشعل بردار جلوس اور ڈھول و تاشے پر ماتم عزاداری کا جزو شمار ہوتے ہیں جب کہ یہاں برصغیر میں آگ پر ماتم اور چھریوں کا ماتم عزاداری میں شامل ہیں جو وہاں نہیں ہوتے۔ یا مثلاً بعض ممالک میں ایامِ عزا کیم تا تیرہ محرم تک ہوتے ہیں جب کہ برصغیر میں یہ مدت سوا دو مہینے طویل ہوتی ہے۔

عزاداری کی ان اضافہ شدہ رسومات میں سے یقیناً بہت سے اضافے ایسے ہیں جو اسے موثر بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور بعض اضافے ایسے ہیں جو عزاداری کو غیر موثر بنانے اور اس میں جمود کے آجانے کا سبب ہیں۔ یعنی عزاداری کو بغیر کسی فلسفہ اور مقصد کے محض ایک رسم کے طور پر باقی رکھنے کا موجب ہوتے ہیں۔

انہی اسباب کے پیشِ نظر دورانِ تاریخ میں گاہے بگاہے مکتبِ تشیع کے جید علماء نے عزاداری کی اصلاح کے لئے آواز بلند کی ہے۔ ایسی رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے جو عزاداری کو غیر موثر بنانے، اس میں جمود پیدا کرنے اور اس میں انحراف کا سبب ہیں۔ ذیل میں ہم اس بارے میں علیحدہ علیحدہ ان علماء کی آراء نقل کرتے ہیں۔

مصلح کبیر آیت اللہ محسن امین

حضرت آیت اللہ سید محسن امین عزاداری کی اصلاح کے سلسلہ میں اپنی تالیف "رسالہ تنزیہ الامہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"خداوندِ عالم نے ہر انسان پر جتنی اسے قدرت و توانائی میسر ہو نہی عن المنکر واجب قرار دیا ہے۔ سب سے بڑا منکر معاشرہ میں کسی بدعت کو سنت و مستحب قرار دینا، اسے بجالانے کی لوگوں کو دعوت دینا اور اس کی ترویج کرنا نیز کسی مستحب کو بدعت کی صورت میں پیش کرنا ہے۔

شیطان اور اس کے کارندے اہلِ دین کو دین ہی کی راہ سے گمراہ کرتے ہیں اور یہ گمراہ کرنے کا سب سے خطرناک طریقہ ہے۔ دین میں کوئی

ایسی سنت نہیں جس کے ذریعہ شیطان نے داخل ہو کر لوگوں کو بھڑکانے کی کوشش نہ کی ہو' ان کی فکروں کو خراب نہ کیا ہو۔ ان ہی شعائرِ دینی میں سے ایک شعائرِ حسینیؑ ہیں جنہیں اہلِ تشیع کربلا کا واقع رونما ہونے کے بعد سے اب تک مناتے ہیں۔

جب ابلیس اور اس کے کارندوں نے عزاداری کے فوائد و اثرات کو دیکھا اور وہ تمام حیلوں اور مکر و فریب سے اسے روکنے میں بھی ناکام رہے تو ان لوگوں نے ایک دوسرے راستہ سے داخل ہو کر امام حسینؑ کے شیدائیوں کو گمراہ کرنے کی سازش تیار کی اور وہ یہ کہ عزاداری میں ایسی بدعات و منکرات کو داخل کیا جو دیگر اہلِ اسلام کو بری محسوس ہوں۔

شیاطین کا مقصد یہ تھا کہ عزاداری سے حاصل ہونے والے فوائد کا تدارک کیا جائے اس کے اجر و ثواب کو روکا جائے۔ اس لئے انہوں نے اس کے اندر ایسی چیزیں داخل کیں جو یا تو تمام مسلمانوں کے نزدیک حرام تھیں یا وہ انہیں منکرات اور گناہِ کبیرہ سمجھتے تھے۔ ان چیزوں میں سے بعض درج ذیل ہیں۔

(۱) جھوٹی باتیں 'یعنی عزاداری کے اجتماعات میں ایسی غیر حقیقی باتوں کا بیان جن کا مستند کتابوں میں کہیں ذکر نہیں ملتا اور انہیں روکنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا۔ (۲) عزاداری میں ڈھول اور دف کا استعمال۔
(۳) نفس کو اذیت پہنچانے والی چیزوں کا استعمال جیسے زنجیر' چھری' تلوار' قمہ وغیرہ کے ذریعہ خون نکالنا۔ (۴) عزاداری میں تمثیل کے

دوران عورتوں کا مرد اور مردوں کا عورت کا بہروپ بھرنا۔ (۵) بے حجاب خواتین کو محملوں میں بٹھا کر انہیں اہلِ حرم سے تشبیہ دینا۔ عزاداری میں داخل کی جانے والی یہ تمام چیزیں حرام اور ناجائز ہیں۔"

اور ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ :

"بہت سے خطیب حضرات عزاداری کے اجتماعات میں ایسے جعلی اور من گڑھت مصائب بیان کرتے ہیں جنہیں کسی مؤلف و مورخ نے ذکر نہیں کیا۔ ان ہی لوگوں نے بہت سی صحیح احادیث کو مسخ کیا ہے کبھی ان میں کمی کی ہے کبھی اضافہ کیونکہ ان لوگوں نے یہ بات محسوس کی کہ یہ طریقہ جاہل سننے والوں پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔" (الشعائر الحسینیہ)

علامہ شیخ مہدی شمس الدین

لبنان کی بلند پایہ علمی شخصیت کئی گرانقدر کتب کے مصنف حضرت علامہ شیخ محمد مہدی شمس الدین نے دس محرم ۱۴۰۱ھ کو اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ۔

"ہم اس وقت پندرہویں صدی کے آغاز کے موقع پر ذکرِ حسین کر رہے ہیں۔ میں اس موقع پر عزاداری میں بنیادی تصحیح کو ضروری سمجھتا ہوں۔ سب سے پہلے اس کی فکری اور تاریخی تصحیح ہونی چاہئے۔ آلِ بویہ کی حکومت نے یہ اقدام کیا کہ عزاداری صرف شیعوں تک محدود رہے۔ اگرچہ آلِ بویہ کے اقدامات سے عزاداری کو فروغ ملا ہے لیکن یہ اقدام غلط ہے کہ عزاداری صرف شیعوں تک محدود رہے۔"

مزید لکھتے ہیں کہ۔

"عزاداری اس واقعہ کی یاد منانا ہے جس میں امام حسینؑ نے یزید کی غیر اسلامی، جابر اور ظالم حکومت کے خلاف قیام کیا اور اسی قیام کے دوران آپؑ شہید کیے گئے۔ اس زمانے میں یزید کے خلاف صرف امام حسینؑ ہی نہ تھے بلکہ اس وقت کی تمام ہی سماجی، سیاسی اور مذہبی شخصیات اس کی حکومت و خلافت کے خلاف تھیں۔ اس وقت صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ تمام مسلمان یزید کے خلاف تھے۔ لہٰذا عزاداری بھی تمام مسلمانوں کی میراث ہے۔

دوسری بات یہ کہ عزاداری ایک تقلیدی اور رسمی شکل اختیار کر گئی ہے۔ لوگ ان خاص حدود سے باہر آنے پر آمادہ نہیں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ عاشورا عالمِ رنج و الم کا نام ہے، حسینؑ اور ان کے اہلِ بیتؑ کے مصائب پر گریہ وزاری تقرب و رضائے الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یہ فلاح و ثواب کے حصول کا وسیلہ ہے۔ لوگ آتے ہیں، امام حسینؑ کی مجلس سنتے ہیں، گریہ کرتے ہیں اور بس ---- یہ بھی ایک خطا اور غلطی ہے بلکہ ہم پر لازم ہے کہ ہم عزاداری کو فرامینِ معصومینؑ کی روشنی میں انجام دیں اور ان کے عطا کئے ہوئے اصولوں کے مطابق بپا کریں۔"

(اقتباس از خطاباتِ عاشورا۔ از مہدی شمس الدین)

آیت اللہ العظمیٰ سید محسن الحکیم طباطبائی

آیت اللہ سید محسن الحکیم کے فرزندِ جلیل آیت اللہ محمد باقر الحکیم سے منقول ہے کہ ان کے والدِ گرامی نے فرمایا :

"قمہ زنی، زنجیر زنی جیسی رسومات جو اس وقت عزاداری میں رائج ہیں۔ ان میں کوئی استحباب نہیں بلکہ یہ مسلمانوں کے درمیان ضرر رساں ہیں اور اسلام اور اہلِ بیتؑ کی تعلیمات کو سمجھنے میں ایک رکاوٹ ہیں۔ ہم نے کسی ایک عالم کے فتاویٰ اور روایات میں بھی ان چیزوں کے جواز کا حکم نہیں دیکھا۔ کوئی بھی ان چیزوں کے قربِ خدا کا وسیلہ ہونے کا قائل نہیں۔ بلکہ قمہ زنی تو ہمارے گلے میں پھنسی ہوئی ایک ہڈی ہے۔" (الشعائر الحسینیہ۔ ص ۱۳۷)

آیت اللہ سید محمد باقر الحکیم

حضرت آیت اللہ باقر حکیم جو شہید صدر علیہ الرحمہ کے روحانی فرزند اور آنجناب کے ہم رزم و ہم فکر اور مجلسِ اعلیٰ انقلابِ اسلامی عراق کے سربراہ ہیں انہوں نے محرم ۱۴۱۵ھ میں عزاداری کی بعض رسوم کے بارے میں ولیٔ امرِ مسلمین حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے بیان کی تائید میں ایک مفصل بیان ارشاد فرمایا۔ ہم آپ کے اس بیان کا خلاصہ نذرِ قارئین کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ :

"عزاداری ان اہم نکات میں سے ہے جنہیں ائمہ معصومینؑ نے انتہائی اہمیت دی ہے تاکہ اس کے توسط سے امام حسینؑ کے مقدس اہداف و مقاصد کو فروغ حاصل ہو۔"

مزید فرماتے ہیں کہ۔

"وہ مقاصد و اہداف جن کے لئے امام حسینؑ نے قیام فرمایا درج ذیل

ہیں۔

☆ امت کے ضمیر کو بیدار کیا جائے اور اسے اس کی اخلاقی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے۔

☆ یہ واضح کیا جائے کہ ایک ایسے طاغوت اور ظالم حکمراں کے سامنے ایک مسلمان کی شرعی ذمہ داری کیا ہے جو مقدساتِ دینی کی اہانت کرتا ہے اور حدودِ شریعت کو پامال کرتا ہے۔

☆ دین کی حقیقی تصویر کو محفوظ رکھا جائے۔"

عزاداری کے انعقاد اور اس کے اہتمام کے سلسلے میں ائمہ اطہارؑ کے پیشِ نظر درجِ ذیل مقاصد تھے۔

(۱) ائمہ اطہار علیہم السلام دینِ مقدسِ اسلام کی فکری، عقیدتی اور اخلاقی تعلیمات کے محافظ تھے لہٰذا وہ عزاداری کے ذریعہ ان چیزوں کا تحفظ چاہتے تھے۔

(۲) اہلِ بیت علیہم السلام عزاداری کو ایک تربیت گاہ کی حیثیت دیتے تھے جس کے اجتماعات میں مسلمان اسلامی مفاہیم اور امام حسینؑ کے مقدس اہداف کو سمجھیں۔

(۳) عزاداری کے ذریعہ سے امت کے دلوں میں اہلِ بیتؑ سے وابستگی اور ولایت کی تجدید بھی ائمہ معصومینؑ کے پیشِ نظر تھی۔

(۴) روحانی اور وجدانی پہلو

کیونکہ امت ہر آن اس بات کی ضرورت مند ہے کہ اس کے پاکیزہ احساسات زندہ رہیں۔ تاکہ وہ صحیح انداز میں دین کی خدمت کرسکے۔ لہٰذا اس

مقصد کے لئے حزن و ملال کے مظاہر بڑی تاثیر کے حامل ہیں۔ اسی لئے سید الشہداءؑ پر رونے کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور احادیث میں کثرت سے یہ حکم آیا ہے کہ انسان روزِ عاشورا امام حسینؑ کی مظلومیت پر گریہ و بکا، رنج و غم اور نالہ و شیون کے احساسات سے اپنے شعور کو ہم آہنگ کرے۔

ائمہ معصومینؑ کی نظر میں عزاداری کے یہی اہداف و مقاصد تھے لیکن جب ہم اپنے یہاں رائج عزاداری کے انعقاد کے طریقوں اور اس کی رسوم و رواج پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں بہت سی ایسی چیزیں نظر آتی ہیں جو ائمہ معصومینؑ کے ان مقاصد و اہداف سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

عزاداری سے موثر استفادے اور اس کے اہداف و مقاصد کے حصول کے لئے ائمہؑ نے عزاداری کی جو شکل پیش کی تھی (۱) وہ امام حسینؑ کی قبرِ مطہر کی زیارت کو جانا، جس کے بارے میں کثیر روایات موجود ہیں۔ (۲) اہلِ بیتؑ کے مصائب کا ذکر۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ مرثیہ پڑھنے والوں، اشعار کہنے والوں اور ذکرِ مصائب کرنے والوں کو انتہائی بافضیلت مقام دیا گیا ہے۔

مزید فرماتے ہیں کہ۔

"عزاداری ایک شرعی حکم ہے، ائمہ معصومینؑ نے اس سلسلہ میں ہدایت فرمائی ہے۔ اس کی حدود و ابعاد روایات اور علماء کی سیرت میں ملنی چاہئیں۔ اس کی حفاظت اور نگہداری علماء کی ذمہ داری ہے۔ اسے جاہل اور نادانوں کے ہاتھ میں نہیں ہونا چاہئے۔

ہم نے کبھی کسی عالم کو قمہ زنی اور زنجیر کا ماتم کرتے نہیں دیکھا، نہ سنا۔ اگر علماء کے نزدیک یہ مستحب ہوتے تو یقیناً علماء اس کا حکم دیتے۔"

اس کے بعد اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ علماء نے ان چیزوں کے بارے میں کبھی تو فرمایا کہ یہ جائز ہیں اور کبھی یوں فرمایا کہ اگر نفس کے ضرر کا سبب ہوں تو حرام ہیں۔ نیز ان جدید رسومات جیسے زنجیر زنی' قمہ زنی' ڈھول تاشے' باجے وغیرہ کی علماء نے مذمت کیوں نہیں کی؟ تو اس مسئلہ کی تحلیل کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ۔

"علماء نے ان چیزوں کی مذمت اور روک تھام اس لئے نہیں کی کہ اس وقت کے طاغوتی حکام عزاداری کی مخالفت کرتے تھے' ان حالات میں اگر علماء عزاداری کی رسوم میں اصلاح کے لئے ان میں مداخلت کرتے تو حکامِ جور کو عزاداری میں رکاوٹ ڈالنے کا بہانہ مل جاتا۔"

آپ اپنے والدِ بزرگوار حضرت آیت اللہ العظمیٰ محسن الحکیم رضوان اللہ علیہ کا نظریہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ۔

"مذہب تشیع کو جن دو چیزوں نے نقصان پہنچایا ہے ان میں سے ایک عزاداری میں داخل کی جانے والی بعض غلط رسومات ہیں۔"

(عربی ہفت روزہ لوائے صدر۔۹ر محرم ۱۴۱۵ھ۔۱۹ر جون ۱۹۹۴)

آیت اللہ سید کاظم حائری

آیت اللہ سید کاظم حائری فرماتے ہیں کہ :

"عزاداریٔ امام حسینؑ میں شامل بعض خرافات جیسے قمہ زنی' اسلام اور شیعیت کا چہرہ داغدار کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اور لوگوں کو یہ باور کرانے کا سبب ہیں کہ یہ ایک کھوکھلا مذہب ہے۔ خصوصاً دورِ حاضر میں جب کہ

عالمی کفر ہمارے خلاف پروپیگنڈے اور ہمارا مزاح اڑانے پر تلا ہوا ہے۔ ایسے حالات میں ایسے مراسم ایک بڑے حرام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ولی امر مسلمین کو ان چیزوں کے خلاف احکام جاری کرنے کا حق ہے۔ اور آیت اللہ خامنہ ای اپنے اس حکم میں حق بجانب ہیں۔ ان کے تمام تابعین حتیٰ ان لوگوں پر بھی جو ان کے مقلد نہیں اس حکم کی پیروی لازم ہے۔" (الشعائر الحسینیہ۔ ص ۱۴۴)

آیت اللہ محمد حسین کاشف الغطاء

جب آیت اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطاء سے عزاداری کے بعض مراسم کی حرمت و حلّت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر ہم ان کا فقہی قواعد کے تحت جائزہ لیں تو ان چیزوں کی حرمت کے سوا کوئی حکم نہیں۔ کیونکہ فقہ کے وہ بنیادی قواعد جو مسلّمات کی حیثیت رکھتے ہیں ان کے تحت اپنے نفس کو اذیت اور ضرر پہنچانا اور اسے ہلاکت میں ڈالنا حرام ہے۔ اور ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی روشنی میں ہم قمہ زنی اور زنجیر زنی کو ان فقہی قواعد سے مستثنیٰ قرار دیں۔

دوسری طرف ہم صراحت سے کہتے ہیں کہ مذہبِ امامیہ کے نزدیک واقعہ کربلا اور شہادتِ امام حسینؑ ایک عظیم حادثہ اور ایک دینی انقلاب ہے۔ امام حسینؑ امتِ مسلمہ کے لئے ایک رحمتِ عظمیٰ ہیں اور اس کی شفاعت اور نجات کا ذریعہ ہیں۔ اگر مذکورہ اعمال و افعال کسی سے امام حسینؑ کے عشق و محبت میں صادر ہوں اور صحیح طریقہ سے انجام پائیں، فرط جذبات سے دل شکستہ ہو کر کسی سے یہ فعل سرزد ہو اور ہر قسم کے ریا اور اغراضِ نفسانی سے مبرّہ ہو تو بعید نہیں

کہ اس کے لئے یہ عمل جائز ہو جائے۔

لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں رائج مراسم ریا اور دکھاوے سے مبرّا نہیں ہوتے لہٰذا انہیں نیتِ صادق کے ساتھ انجام دینا مشکل نظر آتا ہے ان کی حرمت ہی مسلّم نظر آتی ہے۔ بلکہ بعض حالات میں زمانی اور مکانی تقاضوں کے پیشِ نظر حرمت کے امکان میں اضافہ ہی ہو سکتا ہے۔ عزاداری کے بہترین اور پاکیزہ ترین اعمال امام حسینؑ کی مصیبت میں نوحہ و فغاں، گریہ و بکا، امام حسینؑ کی مظلومیت پر اشک فشانی اور آپؑ کے حرم کی زیارت ہیں۔

(نقل از فردوسِ اعلیٰ)

خلاصہء کلام

حضرت آیت اللہ کاشف الغطاء کے کلام کا درجِ ذیل نکات کی صورت میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) زنجیر زنی و قمہ زنی حرام ہیں۔

(۲) اگر خالص عشق و محبتِ حسینؑ میں بے ساختہ بغیر کسی ریا اور دکھاوے کے ہو تو جائز ہے لیکن ایسا ہونا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔

(۳) ان مراسم کی انجام دہی کے وقت زمان و مکان کو ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے ممکن ہے کبھی یکسر ناجائز و حرام ہوں۔

(۴) نوحہ خوانی، گریہ وزاری، زیاراتِ حرمِ ائمہؑ اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ اور ان کے مظالم میں خاموش رہ کر یا ہاتھ بٹا کر ان کا ساتھ دینے والوں پر لعن و نفرین عزاداری کا بہترین طریقہ ہے۔

علامہ بزرگ شیخ علی ابنِ عبداللہ بحرانی (متوفی ۔۱۳۱۹ھ)

شیخ نور محمد نور محمد عبدالصمد نے عزاداریٔ سید الشہداؑ پر جو اعتراضات کیے علامہ بزرگ شیخ علی ابنِ عبداللہ بحرانی نے ان میں سے ہر اعتراض کا دندان شکن جواب دیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے عزاداری میں رائج بعض رسوم مثلاً باجے' ڈھول تاشہ اور نفیری جیسے آلات کے استعمال' مردوں کا عورتوں کا روپ بھرنا' عورتوں کا بے حجاب جلوسوں میں شریک ہونا' مرد و زن کا مخلوط عزاداری میں شریک ہونا اور مصائبِ امام حسینؑ بیان کرتے ہوئے جھوٹی اور من گھڑت روایتیں بیان کرنے کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ سب شیعہ عوام کی اختراعات ہیں اور ان کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔

شرع میں جھوٹ ایک مسلّم فعلِ حرام ہے خواہ اسے نثر میں بولا جائے' خواہ نظم و اشعار کی صورت میں' کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہر وہ چیز جو خلافِ واقع ہے وہ باطل ہے۔ (قامعہ اهل الباطل دفع شبهات المجادل)

علامہ شیخ محمد جواد مغنیہ

آپ فرماتے ہیں کہ عوام الناس میں رائج عادات و رسوم کو دین کا مصدر نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ ان میں سے بہت سی ایسی خرافات ہیں جنہیں دین تسلیم نہیں کرتا خواہ بعض علماء ان چیزوں کی تائید ہی کیوں نہ کریں۔

ان چیزوں میں سے ایک کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"لبنان' عراق اور ایران میں آج کل بعض شیعہ حضرات کفن پہن کر نکلتے ہیں اور سر و پیشانی پر تلوار مارتے ہیں۔ یہ فعل دین میں ایک

بدعت ہے یہ جاہلوں کی اختراع ہے۔ کسی بھی جید عالم کی طرف سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ کسی نے اس کا حکم نہیں دیا ہے۔"

ہر مذہب و مسلک میں عوام ایسی چیزیں پیدا کرتے ہیں جو کسی طرح بھی ان کے مسلّمہ عقائد سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اگر ان چیزوں کو دیکھ کر بعض علماء سکوت اختیار کرتے ہیں (اور ان کے خلاف زبان نہیں کھولتے) تو اس کا سبب اپنی اہانت یا ضرر کا خوف ہے۔

آج بھی ہمارے بہت سے علماء میں یہ جرات پیدا نہ ہو سکی ہے کہ وہ عزاداری میں شامل ان خرافات سے عوام کو باز رکھیں۔ کیونکہ جو عالم اس جانب قدم بڑھاتا ہے عوام اسی کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔

(کتاب شعائر حسینیہ۔ ص ۱۴۰۔ نقل از کتاب تجارب محمد جواد مغنیہ)

آیت اللہ جوادی آملی

آیت اللہ جوادی آملی فرماتے ہیں کہ۔

عزاداریِ امام حسینؑ میں ایسی باتوں کا انجام دینا جائز نہیں جو اسلام کی کمزوری کا سبب اور عزاداری کے مراسم کی ہتکِ حرمت کا باعث ہوں۔ بالخصوص قمہ زنی وغیرہ۔ (۴ محرم ۱۴۱۵ھ۔ الشعائر الحسینیہ)

آیت اللہ محمد علی تسخیری

مجمع جہانیِ اہلِ بیتؑ کے رئیس آیت اللہ محمد علی تسخیری' عزاداری میں اصلاح کے سلسلہ میں ولیِ امرِ مسلمین حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے فرمان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

"امام حسینؑ کی تحریک یزید ابنِ معاویہ کے خلاف ایک تاریخی جنگ تھی، حق و باطل کا فیصلہ کن معرکہ تھی، یہ تحریک اپنے اندر متعدد مفاہیم و معنی کو سموئے ہوئے ہے۔ اور ہر دور کے لئے ایک دائمی درس ہے۔ لہٰذا مراسمِ عاشورا اور درسگاہِ حسینیؑ کو ہمیشہ مومنین کے لئے سرچشمہ حیات کی حیثیت سے باقی رہنا چاہئے۔

خطباء و ذاکرینِ عظام عزاداریِ امام حسینؑ اور اس کے ذریعہ اس مقدس تحریک کی یاد کو ہمیشہ باقی رکھنے کے لئے اس کے اجتماعات میں اسلامی تعلیمات، سیرتِ نبویؐ، سیرتِ اہلِ بیتؑ اور ان کے فضائل کا ذکر کرتے تھے اور حضرت امام حسینؑ کی تحریک کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے تھے، اس کے اہداف کا تذکرہ کرتے تھے۔

لیکن افسوس کی بات ہے کہ شیعوں میں عزاداریِ امام حسینؑ کی یہ مستحسن رسم آج کل انتہائی خطرناک انحرافات سے دوچار ہے، ان انحرافات کو وجود میں لانے کا مقصد لوگوں کو امام حسینؑ کے مقدس اہداف سے دور اور عزاداری کے نام پر بے سود اور بے مقصد چیزوں میں مشغول رکھنا ہے۔

ان انحرافات و خرافات کو اس حد تک عروج حاصل ہوا ہے کہ طبعِ سلیم اسے ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتی ہیں۔ بسا اوقات عزاداری کی رسوم مضر اثرات کی حامل اور عقائدِ امامیہ پر طنز و استہزا کا باعث بنتی ہیں اور اس مذہب کی باطل کے عنوان سے تشہیر پر منتج ہوتی ہیں اور اس طرح عقلِ سلیم اور وحیِ خالص پر مبنی عقیدہ کو غلط انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

عزاداری میں رائج انحرافات میں قمہ اور تلوار زنی اور ایسی ہی دوسری

رسومات شامل ہیں جو نفس کو ضرر پہنچانے کا موجب اور ذوقِ سلیم کو ختم کرنے والی ہیں۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ عادات اس حد تک جاہل عوام کے درمیان رسوخ پا چکی ہیں کہ وہ اسے اصولِ اسلام اور اپنے مکتب کی اساس سمجھنے لگے ہیں اور اس پر بے بنیاد دلائل لے کر آتے ہیں اور ایک عام عالمِ دین پر ان کے خلاف زبان کھولنا تک مشکل ہو چکا ہے۔ علماء کے لئے ان عظیم انحرافات کے خلاف زبان کھولنا اور انہیں روکنا آسان نہیں رہا جو مذہب تشیع کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور بہت سے لوگوں کے لئے شیعیت کی حقیقت کو سمجھنے میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ یہ رہبرِ انقلاب حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی غیرت و حمیت اور دفاعِ اسلام کی راہ میں ان کی جرات ہے کہ انہوں نے مذہب کی حقانیت کے تحفظ کے لئے ان انحرافات کے خلاف جنگ کا اعلان کیا، خواہ اس کے نتیجہ میں انہیں کتنے ہی برے حالات کا سامنا کرنا پڑے اور ان کے جاہل مخالفین ان کے خلاف کتنا ہی پروپیگنڈہ کریں۔ (الشعائر الحسینیہ۔ ص ۱۲۸)

آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد فاضل لنکرانی

حضرت آیت اللہ العظمیٰ شیخ محمد فاضل لنکرانی فرماتے ہیں کہ :

"انقلابِ اسلامی ایران کے بعد اس وقت دنیا بھر کی نظریں اسلام اور تشیع کی جانب متوجہ ہیں۔ ہمارے اعمال اور ہماری قوم کے کردار کو اسلام کا نمونہ سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عزاداریٔ سید الشہداء کے ضمن میں ایسے اعمال و مراسم انجام دیے جائیں جن سے لوگوں کی

توجہ دین کی جانب مبذول ہو اور امام حسینؑ اور ان کی تحریک سے لوگوں کو محبت پیدا ہو۔ اس وقت عزائے حسینؑ میں قمہ زنی اور زنجیر زنی جیسے مراسم بے فائدہ ہیں۔ ان کے جواز کی بھی کوئی دلیل نہیں۔ بلکہ اس سے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ للذا عزادارانِ امامِ مظلومؑ کو چاہئے کہ ان چیزوں سے پرہیز کریں خواہ ان کی نذر ہی کیوں نہ مانی ہوئی ہو۔" (شعائرِ حسینیہ۔ص ۱۴۰)

آیت اللہ سید مرتضیٰ عسکری

آیت اللہ سید مرتضیٰ عسکری اعلیٰ پائے کے محقق، مورخ اور انتہائی جید عالمِ دین ہیں۔ اہلِ بیتؑ کی فضیلت اور ان کے کارناموں پر آپ نے متعدد کتب تالیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے ایک "احیاءِ دین میں ائمہؑ کا کردار" کے نام سے اردو زبان میں بھی طبع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی معروف کتب عبداللہ ابنِ سباء، معالم المدرستین، ایک سو پچاس جعلی صحابی وغیرہ ہیں۔ آیت اللہ موصوف فرماتے ہیں کہ :

"امام حسینؑ نے اس وقت انقلاب اور قیام کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا جب شریعتِ محمدی میں انحرافات جڑ پکڑ رہے تھے۔ ان حالات میں جب بات دینِ مبین پر آگئی، امام حسینؑ پر انقلاب کے لئے اٹھ کھڑے ہونا ایک لازمی امر بن گیا تھا۔

موجودہ حالات میں بھی امام حسینؑ کی تحریک کے مخالفین اصل واقعاتِ کربلا میں اسی لئے تحریف میں مشغول ہیں تاکہ وہ شریعتِ محمدیؐ اور

مقصدِ حسینیؑ سے اس کی اصل روح نکال باہر کریں اور یہ چیزیں اپنے اثرات کھودیں۔

اگر ان انحرافات کا سدباب نہ کیا گیا تو ان کے نتیجے میں امتِ محمدیؐ پر انتہائی مضر اثرات مرتب ہوں گے۔"

آیت اللہ سید مرتضٰی عسکری عزاداری کی نوعیت اور طریقہ کے متعلق حضرت امام خمینی علیہ الرحمہ کو سند قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

"جس طرح امام خمینیؒ دیگر امور کے سلسلے میں ائمہ اہلِ بیتؑ کی متابعت اور سنت کے قائل تھے اسی طرح عزاداریٔ امامِ مظلومؑ کے معاملہ میں بھی ائمہؑ کی پیروی کے قائل تھے۔

عزاداری کے معاملہ میں سنت اور تقلید سے مراد وہ طریقہ ہے جو ائمہ اطہارؑ و صالحین نے اپنے اپنے دورِ حیات میں اختیار کیا اور ہم عزادارانِ حسینؑ اس میں کمی بیشی کرنے کے قطعی مجاز نہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اسی اسلوب اور طریقہ کے مطابق عزاداری کا انعقاد کریں جو ائمہ اطہار علیہم السلام سے منسوب ہو۔ جس کی سند اور ثبوت مستند کتب میں ملے۔"

مزید فرماتے ہیں کہ :

"عزاداری میں اضافات دراصل امام حسینؑ کی تحریک و انقلاب کو غیر موثر بناتے ہیں اور اس کی اصل روح کو کم کرنے کا موجب ہیں۔"

نیز آپ عزاداری کے بعض مراسم پر شدید تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :

"یہ ڈھول تاشے، موسیقی، قمہ زنی، زنجیر زنی حرام اعمال میں سے ہیں اگر ان امور کو نذر کے عنوان سے بھی انجام دیا جائے تب بھی یہ خلافِ شرع ہیں۔
میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ امام حسینؑ کے قیام کے اہداف و مقاصد کو کوئی چیز نہیں مٹا سکتی سوائے قمہ زنی اور ان بدمستیوں کے۔ کیونکہ اس وقت اجنبی عناصر امام حسینؑ کو ہماری ان رسومات کے حوالہ سے دیکھتے ہیں اور لازماً ان کے ذہن میں اس سے ایک منفی خاکہ ابھرتا ہے۔ میں مطمئن ہوں کہ اگر ہم اس طرح عزاداری برپا کریں کہ جس طرح اس کے اہتمام کا احادیث اور روایات میں ذکر ہوا ہے تو پھر واقعی اس کے انتہائی مفید اور ثمر بخش نتائج بر آمد ہوں گے۔ خداوندِ عالم اور ائمہ معصومینؑ کی بارگاہ میں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے اور شعائرِ الٰہی کو زندہ کرنے کے نتیجے میں خداوندِ متعال کی برکات ہم پر نازل ہوں گی۔ مصائب و مشکلات سے چھٹکارہ ملے گا۔ اگر ہم سنتِ امام حسینؑ کو اپنائیں تو یہی سنتِ ائمہؑ اور سنتِ رسولؐ ہے۔"

آپ فرماتے ہیں کہ :

"رہبرِ معظم آیت اللہ سید علی خامنہ ای نے انتہائی جرات و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عزاداری میں موجود خرافات کے خلاف آواز بلند کی ہے تاکہ کربلا کے اصل واقعات نکھر کر سامنے آسکیں۔
تمام امتِ مسلمہ پر واجب ہے کہ وہ رہبرِ معظم کی آواز پر لبیک کہے اور ان کی تائید و پیروی کرے۔ بدعات اور خرافات کو واقعہ عاشورا سے دور

کرنا درحقیقت خدا اور سید الشہداءؑ کی راہ میں ایک عظیم کام ہے۔
حضرت امام حسینؑ کے قیام کا مقصد امتِ مسلمہ کی ہدایت تھا کسی صورت بھی شیطان کو اس ہدایت کو مسخ کرنے اور ضلالت میں تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔" (ہفت روزہ مجلہ الجہاد)

شیخ احمد وائلی

سرزمینِ عرب کے نامور خطیب اور مایہ ناز مفکرِ اسلام شیخ احمد وائلی جو چھ سات دہائیوں سے عالمِ عرب کے ممبروں کی زینت بنے ہوئے ہیں انھوں نے سالِ گزشتہ اپنے ایک خطاب میں شعائرِ حسینیؑ کی اہمیت نیز عزاداریٔ امامِ مظلومؑ کے بارے میں فرمایا کہ۔

"عزاداریٔ امام کے اہم اثرات میں سے ہے کہ اس کے ذریعہ بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومتیں اپنے انجام کو پہنچیں۔"

پھر آپ نے فرمایا کہ۔

"بعض دشمنانِ اسلام اور دشمنانِ اہلِ بیتؑ نے یہ ناپاک کوشش کی ہے کہ عزاداریٔ امامِ مظلوم سے اس کی اصل روح کو نکال کر اسے جامد کردیں اور اس کی اصالت کو ختم کرکے اسے انحراف و خرافات سے پُر کردیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ ہم اپنی فکر اور روح میں پیغمبرِ اسلامؐ اور امام حسینؑ کی روح کو جگہ دینے کی بجائے کہیں ان کے موئے مبارک رکھتے ہیں اور کہیں عصاء و عباء۔ اس طرح ہم ان ہستیوں کی فکر کی تقدیس کی

بجائے ان بے روح مشغولات میں پڑ کر خود کو حقیقی روح اور مغز سے دور رکھتے ہیں اور اہدافِ حسینؑ سے روگردانی کرتے ہوئے ظاہرداری میں مشغول ہوگئے ہیں۔

چاہئے تو یہ تھا کہ ہم فکرِ حسینؑ کو اپنا عقیدہ و اسلوب بناتے لیکن ہم عزاداری کی ظاہری شکل و صورت کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور مقصدِ حسینیؑ کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔

اس وقت عالمِ اسلام سخت ترین مشکلات کا شکار ہے۔ سامراجی اور استحصالی قوتیں امتِ مسلمہ کا استحصال کر رہی ہیں۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ بعض افراد کا خیال ہے کہ قمہ زنی یا آگ پر ماتم ہی دینِ محمدیؐ کی بقا کا موجب ہے------ یہ لوگ کس دور اور کس تاریخ میں زندگی بسر کر رہے ہیں؟

ہمیں آدابِ حسینیؑ خود سیکھنا اور دوسروں کو سکھانا چاہئیں۔ فکرِ اہلِ بیتؑ سے درسِ اخلاق اور درسِ حیات لینا چاہئے۔"

پھر ایک سرد آہ بھر کر اس شخص کا ذکر فرماتے ہیں جو حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا تھا کہ اے امامؑ لوگ ہمیں جعفری کہتے ہیں۔ تو امام جعفر صادقؑ نے فرمایا تھا کہ "خدا کی قسم تم میں سے بہت کم لوگ ہیں جو جعفر صادق کو سمجھتے اور اس کی بات سنتے ہیں۔ تم میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو ہمارے اخلاق و آداب سے واقف ہو اور اس کی متابعت کرتا ہو۔"

شیخ وائلی فرماتے ہیں کہ :

"ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر خلقِ حسینؑ اور آدابِ حسینؑ پیدا

ہوں۔ جس شعارِ حسینؑ سے دین زندہ ہوتا ہے وہ اخلاقِ امامؑ اور قیامِ امام حسینؑ ہے۔"

اس کے بعد آپ مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

"بعض افراد ممبر پر جا کر خرافات بکتے ہیں کہ "امامؑ نے کربلا کے میدان میں بارہ سو آٹھ افراد کو قتل کیا۔" قسم بخدا امامؑ نے معجزہ سے جنگ نہیں لڑی' اگر معجزہ کی مدد سے جنگ لڑتے تو اس سے بھی زیادہ لوگوں کو قتل کر سکتے تھے۔

براہِ کرم ایسی باتیں (ممبر سے) نہ کہی جائیں کہ لوگ کہنے لگیں کہ یہ خرافات اور بے ہودہ افکار رکھنے والی قوم ہے۔ امام حسینؑ کی تحریک کے مخالفین کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ خرافات اور فضولیات کو فروغ دیا جائے تاکہ سید الشہداءؑ کی عظیم قربانی اور اس کے نتائج پوشیدہ رہیں۔ امام حسینؑ کی شخصیت انتہائی عظیم اور عالی مرتبت ہے اور افکارِ امام بھی ایسے ہی ارفع و اعلیٰ ہیں۔" (شعائرِ حسینیہ۔ ص ۸۵)

آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای

ولی امرِ مسلمین حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای نے اپنے ایک خطاب میں فرمایا کہ۔

"اب جب کہ ایامِ عزا نزدیک ہیں میں دو اہم نکات کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) امام حسینؑ کی تحریک اور آپؑ کے بپا کردہ انقلاب کے بارے میں

علماء و مفکرین، خطباء و مقررین نے ایامِ قدیم سے دورِ حاضر تک بہت کچھ کہا ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے اس کے باوجود اس عظیم انقلاب پر غور و فکر اور اس کے اسرار و رموز سے آگاہی کے لئے طویل عمر درکار ہے۔ عاشورا کے بارے میں ہزار عرق ریزی کریں، باریک بینی سے کام لیں تب بھی اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہر روز نئے نئے حقائق ہمارے سامنے آئیں گے۔ لہذا ہمیں ہر سال ایام عزا میں انقلاب کربلا کے بارے میں غور و خوض اور تفکر و تعقل سے کام لینا چاہئے۔

(۲) محرم شروع ہوتے ہی جس طرف ہمیں اپنی بھرپور توجہ مبذول کرنا چاہئے وہ مراسمِ عزاداری ہیں۔ یہ مراسمِ عزاداری اور ان کو زندہ رکھنے کا فریضہ انتہائی اہمیت اور فضیلت کا حامل ہے۔ درحقیقت عزاداری کے یہی مراسم ہیں جن کی وجہ سے تشیع اپنے دوسرے برادرانِ مسلمین سے ممتاز ہے۔

عزاداری سے مراد محض یہ نہیں کہ صرف ان ایام میں بعض مراسم انجام دیئے جائیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قیامِ ابی عبداللہ الحسینؑ کے مختلف پہلوؤں اور ان میں موجود بے انتہا حقائق و دقائق کو بیان کیا جائے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اس جدید زمانے میں جہاں منطق و استدلال کا دور دورہ ہے صرف رونے رلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ منطق درست نہیں۔ ہر چیز کا اپنا ایک کردار ہوتا ہے۔ انسان کی شخصیت میں جہاں منطق و استدلال کا ایک مقام ہے وہیں جذبات بھی انتہائی موثر

ہوتے ہیں جو رونے رلانے سے بیدار ہوتے ہیں۔
اس وقت میرے مخاطب خطباء و علماء کرام ہیں۔ میں مجالسِ عزا میں ان کے کردار کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مجالسِ حسینیؑ میں علماء و خطباء کا کردار مرکزی ستون کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ بانیان و سامعینِ مجلس ان کے محور پر طواف کرتے ہیں۔ لہٰذا میں ان مجالس میں علماء و خطباء کی ذمہ داری کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ فی الحال ان کی تین ذمہ داریوں کے تذکرے پر اکتفا کروں گا۔

☆ ان مجالس میں آپ کی بھرپور کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اہلِ بیتؑ سے لوگوں کی محبت و عقیدت اور رابطہ کو قوی سے قوی کیا جائے۔ کوشش کریں کہ لوگوں کے دلوں میں حبِ حسینؑ، عشقِ حسینؑ اور محبتِ اہلِ بیتؑ میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ ان مجالس کے سامعین آپؑ کے خطاب کی وجہ سے رفتہ رفتہ اہلِ بیتؑ سے دور ہونے لگیں اور ان کی محبت و رابطہ میں کمی واقع ہونے لگے ـــــ لہٰذا علماء و خطباء کی تمام تر توجہ اس طرف ہونی چاہئے کہ مجالس کے ذریعہ اہلِ بیتؑ سے سامعین کے رابطہ، محبت اور عقیدت کو قوی سے قوی تر کیا جائے۔

☆ ان مجالس میں امام حسینؑ کے قیام اور تحریک کے اہداف و مقاصد وضاحت و صراحت کے ساتھ پیش کئے جائیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ مجلس میں آئیں، خطاب کریں اور چلے جائیں اور لوگوں خصوصاً نوجوانوں کے ذہنوں میں یہ سوالات باقی رہ جائیں کہ ہم یہاں کیوں

آتے ہیں؟ کیوں روتے ہیں؟ اور ہمیں یہاں آنے سے کیا حاصل ہوتا ہے؟ ہمیں نوجوانوں کو ان سب سوالات کے جواب دینے چاہئیں۔
اگر آپ خطباء و علماء نے ذرا سی بھی سستی برتی تو گویا آپ نے عزاداری کے ایک اہم رکن' اس سے درس حاصل کرنے کو ترک کیا ہے۔ جس کے سبب ہم عزاداری کی افادیت سے محروم رہ جائیں گے۔ یہی نہیں بلکہ نقصان سے بھی دوچار ہوں گے۔
☆ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ ان مجالس کے ذریعہ لوگوں کو دین کی معرفت حاصل ہونی چاہئے۔ ان کا ایمان قوی ہونا چاہئے۔ آپ ان مجالس میں لوگوں کو دین و ایمان کے بارے میں بتائیں۔ ان کو موعظہ حسنہ کریں۔
ہمارا کام یہ نہیں کہ کچھ ضعیف احادیث اور قصہ کہانیاں بیان کیں اور بس' نہیں' ضعیف احادیث سے سامعین کا ایمان قوی نہیں ہوتا بلکہ اس میں کمزوری آجاتی ہے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں ایسی باتیں بہت عام ہیں۔
آخر میں میں یہ بھی آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ عزاداری امام حسینؑ میں بہت سے مراسم ایسے ہیں جو لوگوں کو دین سے نزدیک کرتے ہیں۔ ایمان کی تقویت کا سبب بنتے ہیں۔ ان پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ اس کے علی الرغم عزاداری میں بہت سے ایسے مراسم بھی رواج پاگئے ہیں جو لوگوں کو دین سے دور کرتے ہیں۔ افسوس کہ ان آخری چند برسوں میں ایسی رسومات عزاداری میں شامل کی گئی ہیں کہ لوگ اپنے ہاتھوں اور جسموں پر لوہے باندھتے ہیں' حرم امامؑ میں لیٹ

لیٹ کر چلتے ہیں، تلوار اور قمہ کے ذریعہ اپنے سروں کو مجروح کرتے ہیں۔

یہ امور دوسروں کے دلوں میں ہمارے مذہب کے بارے میں شکوک و شبہات کو جنم دیتے ہیں۔ ہمارے علماء سلف ان باتوں کو صراحت کے ساتھ اس لئے منع نہیں کرتے تھے کہ ان کے پاس قوت و طاقت نہ تھی۔ لیکن بحمد للہ اس وقت اسلامی حکومت ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اسلام کی بالادستی ہے۔ ہماری پارلیمنٹ اسلامی ہے۔ ہمارا معاشرہ اہلِ بیتؑ کے عاشقوں اور ماننے والوں پر مشتمل ہے۔ ہمیں امامِ زمانہؑ حضرت علیؑ اور حضرت امام حسینؑ سے وابستگی پر فخر ہے۔ لٰہذا ہمیں چاہئے کہ غیر منطقی باتوں اور خرافات کی بنا پر دیگر برادرانِ اسلامی اور غیر مسلموں کے نزدیک اپنے معاشرہ کو تضحیک سے محفوظ رکھیں۔

میں نے بہت سوچا کہ دوسرے لوگوں کی مانند اس مسئلہ کے بارے میں خاموشی اختیار کئے رہوں لیکن مجھے اس سکوت کے لئے کوئی جواز نظر نہیں آیا۔ کیونکہ یہ اعمال ایک غیر مشروع بدعت ہیں۔ لٰہذا مومنین کو ایسے امور سے باز رکھنا ضروری ہے۔ ہم ایسے افعال اور انہیں انجام دینے والوں سے راضی نہیں۔ یقیناً یہ باتیں امام حسینؑ کو بھی پسند نہ ہوں گی۔"

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ

امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ۔

"ہمیں چاہئے کہ ماہِ محرم و صفر کو اہلِ بیتؑ کے مصائب کے ذکر سے زندہ رکھیں۔ اس ذکرِ مصائب نے دین کو زندہ رکھا ہے۔ آپ ان لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں جو کہتے ہیں کہ انقلاب کی کامیابی کے بعد ان مجالس کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان مجالس کو ان کی اصل صورت میں، ذکرِ مصائب اور مرثیہ خوانی کی شکل میں جاری رکھیں۔

محرم و صفر نے اسلام کو محفوظ رکھا ہے۔ محرم و صفر اور ذکرِ مصائب کو علماء اعلام اور خطباء کرام کے ذریعہ منظم، موثر اور تعظیم کے ساتھ زندہ رکھیں۔

آپ کو چاہئے کہ اس سنت کا اس طرح دفاع کریں کہ عزاداری کے مراسم میں سے ان تمام چیزوں کو جو مشکوک ہیں، مشتبہ ہیں، جنہیں جاہل اور دین سے نا آشنا افراد نے داخل کیا ہے نکال پھینکیں۔

شعائرِ حسینیؑ، مجالسِ امام حسینؑ کو ہر نئے دن زیادہ سے زیادہ عظمت اور شان و شکوہ کے ساتھ منائیں۔ خطباء اور مقررینِ مجالس کو چاہئے کہ ذکرِ مصائب کے ساتھ ساتھ آج (امتِ مسلمہ کو) درپیش مسائل بھی لوگوں تک پہنچائیں۔ آپ کو چاہئے کہ اپنے سامعین میں فداکاری کی روح پروان چڑھائیں۔"

(اقتباس از خطابِ ایامِ محرم ۱۹۸۱ء۔ نقل از الرصد ش ۴۵۔ ص ۱۳)

اختتامِ احسن

حسنِ اختتام کے طور پر ہم عزاداری سید الشہداءؑ کے بارے میں ائمہء معصومینؑ کی بعض روایات ہدیہء قارئین کرتے ہیں۔

(۱) "قرب الاسناد : ابن سعد، عن الازدیؒ عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال : قال لفضیل : تجلسون و تتحدثون؟ قال : نعم جعلت فداک، قال : ان تلک المجالس احبّھا فاُحیوا اَمرنا یا فضیل، فرحم اللہ من اُحیا اَمرنا؟ یا فضیل من ذکرنا او ذکرنا عندہ فخرج من عینہ مثل جناح الذباب غفر اللہ (لہ) ذنوبہ ولو کانت اَکثر من زبد البحر"

"قرب الاسناد میں ازدی سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فضیل سے دریافت کیا کہ :

کیا تم لوگ کسی جگہ بیٹھ کر ہمارا تذکرہ کرتے ہو؟

(فضیل نے کہا کہ) جی ہاں۔

تو آپؑ نے فرمایا کہ : یہ وہ مجالس ہیں جو ہمیں پسند ہیں، اے فضیل ہمارے ذکر

کو پھیلاؤ' کیونکہ جو شخص ہمارے ذکر کو پھیلائے گا' رحمتِ پروردگار اس کے شامل حال ہوگی۔۔۔۔اے فضیل جو ہمارا ذکر کرے' یا جس کے سامنے ہمارا ذکر کیا جائے اور اس کی آنکھوں سے پرِ مگس کے برابر آنسو نکل آئیں تو خداوندِ عالم اس کے گناہوں کو معاف کر دے گا' چاہے وہ سمندر کے جھاگ سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں۔"

(عوالم العلوم۔ جلد ۱۷۔ ص ۵۲۷۔ بحار الانوار۔ جلد ۴۴۔ ص ۲۸۲)

(۲) "مجالس المفید و امالی الطوسی : المفید' عن ابن قولویہ' عن أبیہ' عن سعد' عن البرقی' عن سلیمان بن مسلم الکندی' عن ابن غزوان' عن عیسی بن أبی منصور' عن أبان بن تغلب' عن أبی عبداللہ علیہ السلام قال : نفس المھموم لظلمنا تسبیح' و ھمّہ لنا عبادۃ' و کتمان سرّنا جھاد فی سبیل اللہ' ثم قال أبو عبداللہ علیہ السلام : یجب أن یکتب ھذا الحدیث بالذھب"

شیخ مفید کی کتاب المجالس اور شیخ طوسی کی "امالی" میں۔۔۔۔ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ :

"اگر کوئی شخص ہم پر ہونے والے مظالم سن کر آہِ سرد کھینچے تو اسے تسبیح کا ثواب ملے گا' ہمارے لئے غمزدہ ہونا عبادت ہے اور ہمارے راز کو چھپانا راہِ خدا میں جہاد کرنے کی مانند ہے۔"

پھر فرمایا کہ : "اس حدیث کو سنہرے حروف سے لکھ لینا چاہئے۔"

(عوالم جلد ۱۷۔ ص ۵۲۸۔ بحار الانوار۔ جلد ۴۴۔ ص ۲۷۸۔ ح ۴)

(۳) "رجال الکشی : نصر بن الصباح، عن ابن عیسی، عن یحیی بن عمران، عن محمد بن سنان، عن زید الشحام، قال : کنا عند ابی عبداللہ علیہ السلام و نحن جماعۃ من الکوفیین، فدخل جعفر بن عفان علی أبی عبداللہ علیہ السلام فقرّبہ و ادناہ ثم، قال : یا جعفر قال : لبیک جعلنی اللہ فداک، قال : بلغنی انک تقول الشعر فی الحسین علیہ السلام و تجید، فقال لہ : نعم جعلنی اللہ فداک، قال : قل، فانشدہ صلی اللہ علیہ فبکی و من حولہ حتی صارت الدموع علی وجہہ ولحیتہ۔

ثم قال : یا جعفر واللہ لقد شہدت ملائکۃ اللہ المقربون ھھنا یسمعون قولک فی الحسین علیہ السلام ولقد بکوا کما بکینا واکثر، ولقد أوجب اللہ تعالی لک یا جعفر فی ساعتہ الجنۃ بأسرھا و غفر اللہ لک۔

فقال : یا جعفر الا أزیدک؟ قال : نعم یا سیدی، قال : ما من أحد قال فی الحسین علیہ السلام شعراً فبکی و أبکی بہ الا أوجب اللہ لہ الجنۃ و غفر لہ۔"

رجالِ کشی کی روایت ہے ـــــ زید شحام کہتے ہیں کہ :

"ہم، کوفہ کے کچھ لوگ حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ وہاں جعفر بن عفان آئے۔ جنہیں امامؑ نے اپنے قریب بلا لیا پھر مخاطب ہو کر فرمایا : جعفر۔ انہوں نے کہا : لبیک اے فرزندِ رسول، خداوندِ عالم مجھے آپ

پر قربان ہونے کا موقع عطا فرمائے۔۔۔۔۔ امامؑ نے فرمایا : مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم امام حسین علیہ السلام کی شان میں مرثیہ کہتے ہو اور بہت عمدہ طریقے سے پڑھتے ہو؟۔۔۔۔۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ : مولا حکم فرمائیے' امامؑ نے فرمایا : کچھ سناؤ۔۔۔۔۔ پھر جب انہوں نے سنایا تو امامؑ بھی روئے اور تمام حاضرین نے بھی گریہ کیا یہاں تک کہ امامؑ کے آنسو چہرہ اور ریش مبارک تک پہنچے۔ پھر فرمایا :

اے جعفر! خدا کے مقرب فرشتے بھی تمہارے اس کلام کو' جو امام حسینؑ کے بارے میں ہے' سن رہے ہیں اور جس طرح ہم لوگ روئے اسی طرح' بلکہ اس سے زیادہ انہوں نے گریہ کیا اور اسی آن خداوند عالم نے تمہاری مغفرت فرمادی اور تمہیں جنت کا حقدار بنادیا۔

پھر فرمایا : اے جعفر کیا اس میں کچھ اضافہ نہ کروں؟ انہوں نے عرض کی۔ ضرور یا مولا۔ تو فرمایا کہ : جو شخص بھی امام حسینؑ کے بارے میں مرثیہ لکھے جسے پڑھ کر خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلائے تو خداوندِ عالم اسے مغفرت سے نوازے گا اور جنت کا حقدار قرار دے گا۔"

(عوالم جلد ۱۷- ص ۵۴۰- بحار الانوار- جلد ۴۴- ص ۲۸۲- ح ۱۶)

(۴) "ثواب الاعمال : ابن المتوکل' عن محمد العطار' عن الاشعری' عن محمد بن الحسین' عن محمد بن اسماعیل' عن صالح بن عقبة' عن أبی عبدالله علیه السلام' قال : من أنشدفی الحسین علیه السلام بیتاً من شعر فبکی وأبکی عشرة فله ولهم الجنة و من أنشد فی

الحسین علیه السلام بیتاً فبکی و أبکی تسعة فله ولهم الجنة' فلم یزل حتی قال : ومن أنشد فی الحسین علیه السلام بیتاً فبکی--- و أظنه قال : أوتباکی--- فله الجنة"۔

ثواب الاعمال میں---- صالح بن عقبہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا :

"جو شخص بھی امام حسینؑ کے مصائب کے بارے میں کوئی شعر کہے جس کو پڑھ کر خود بھی روئے اور دوسرے دس آدمیوں کو بھی رلائے تو اس کے لئے اور ان دس آدمیوں کے لئے جنت ہے اور جو شخص امام حسینؑ کے مصائب کے بارے میں شعر کہہ کر خود روئے اور نو آدمیوں کو رلائے تو اس کے لئے اور ان سب لوگوں کے لئے جنت ہے---- اسی طرح (امام فرماتے رہے) یہاں تک کہ (آخر میں) فرمایا :

جو شخص امام حسینؑ کے (مصائب کے) بارے میں ایک شعر کہے' خود روئے--- (راوی کہتا ہے کہ : میرا خیال ہے کہ یہ بھی فرمایا کہ) : یا رونے والے کی شکل بنائے' اس کے لئے جنت واجب ہے۔"

(عوالم جلد ۱۷۔ ص ۵۴۳۔ بحار الانوار۔ جلد ۴۴۔ ص ۲۸۹۔ ح ۲۹)

(۵) "کفایة الاثر : باسناده عن ابن عباس' عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم فی الحسین علیه السلام : یابن عباس من زاره عارفاً بحقه کتب له ثواب ألف حجة وألف عمرة' الا ومن زاره فکأنّما قد زارنی' ومن

زارنی فکانّما قد زار اللہ‘ و حق الزائر علی اللہ ان لا یعذبہ بالنار۔“

کفایہ الاثر میں ابنِ عباس سے منقول ہے کہ حضرت رسولِ خداؐ نے امام حسینؑ کے بارے میں فرمایا :

”اے ابنِ عباس ! جو شخص معرفت کے ساتھ ان کی زیارت کرے گا اس کے لئے ہزار حج و عمرہ کا ثواب لکھا جائے گا‘ اور جو شخص ان کی زیارت کرے گویا اس نے میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت کی گویا وہ خدا کا زائر ہے اور خدا پر اپنے زائر کا یہ حق ہے کہ اسے آتشِ جہنم کا عذاب نہ دے۔“

(عوالم جلد ۱۷۔ص ۱۱۷۔ بحار الانوار۔ جلد ۳۶۔ ص ۲۸۶)

(۲) ”امالی الصدوق : ابن مسرور‘ عن ابن عامر‘ عن عمّہ‘ عن ابراھیم بن أبی محمود قال : قال الرضا علیہ السلام : انّ المحرّم شھر کان أھل الجاھلیۃ یحرمون فیہ القتال‘ فاستحلّت فیہ دماؤنا‘ و ھتکت فیہ حرمتنا‘ و سبی فیہ ذرارینا و نساؤنا‘ و اُضرمت النیران فی مضاربنا‘ وانتھب ما فیھا من ثقلنا‘ ولم ترع لرسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حرمۃ فی أمرنا‘ ان یوم الحسین علیہ السلام اقرح جفوننا‘ و أسبل دموعنا‘ و أذلّ عزیزنا بأرض کرب و بلاء‘ أورثتنا الکرب والبلاء الیٰ یوم الانقضاء فعلی مثل الحسین فلیبک الباکون فانّ البکاء علیہ یحطّ الذنوب العظام۔

ثم قال علیه السلام : کان أبی اذا دخل شهر المحرّم لا یُری ضاحکاً و کانت الکآبۃ تغلب علیہ حتی یمضی منہ عشرۃ أیّام، فاذا کان یوم العاشر کان ذلک الیوم یوم مصیبتہ و حزنہ و بکائہ و یقول : ھو الیوم الذی قُتل فیہ الحسین علیہ السلام"

امالی صدوق میں ــــــ حضرت امام علی رضاؑ سے منقول ہے کہ :

"محرم کا مہینہ تو وہ ہے جس میں زمانہ جاہلیت میں بھی لوگ قتل و خونریزی کو حرام سمجھتے تھے لیکن افسوس اس مہینہ میں ہمارا خون بہایا گیا، ہمارے اہلِ حرم کو لوٹا گیا، ہمارے خاندان کے لوگوں اور عورتوں کو قیدی بنایا گیا، ہمارے خیموں میں آگ لگائی گئی، تمام اسباب کو چھین لیا گیا، حضرت رسولِ خداؐ نے ہمارے احترام کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا اس کا ذرا سا بھی خیال نہیں رکھا گیا ــــــ بے شک امام حسینؑ کی شہادت کا دن وہ ہے جس نے ہماری آنکھوں کو زخمی کر دیا ہے، آنسو سیلِ رواں کی طرح بہہ رہے ہیں، کرب و بلا میں ہماری عزیز ترین ہستی کو رلایا گیا تو اب قیامت تک بلا و کرب (رنج و غم) ہمارے حصہ میں رہے گا ــــــ بے شک حسینؑ کی ذات وہ ہے جن پر تمام رونے والوں کو رونا چاہئے، کیونکہ ان پر رونے سے بڑے بڑے گناہ معاف ہوتے ہیں۔"

پھر فرمایا ــــــ! "میرے والد ماجدؑ کی حالت یہ ہوتی تھی کہ جب محرم کا مہینہ آتا تو اب کوئی شخص آپ کے چہرے پر ہنسی نہیں دیکھ سکتا تھا، مسلسل رنج و غم آپ پر چھایا رہتا تھا، اسی طرح دس دن گزرتے تھے، پھر جب عاشور کا دن آتا تھا تو آپ کے رنج و غم اور گریہ و بکا میں بے پناہ شدت آجاتی تھی اور فرماتے تھے کہ

یہی تو وہ دن ہے جس میں امام حسینؑ شہید کیے گئے۔"

(عوالم جلد ۱۷۔ ص ۵۳۸۔ بحار الانوار۔ جلد ۴۴۔ ص ۲۸۴)

(۷) "امالی الصدوق : العطار، عن أبیه، عن الأشعری، عن اللؤلؤی، عن ابن أبی عثمان، عن علی بن المغیرة، عن أبی عمارة المنشد، عن ابی عبدالله علیه السلام قال : قال لی یا أبا عمارة انشدنی فی الحسین بن علی علیهما السلام قال : فانشدته فبکی ثم انشدته فبکی، قال : فوالله مازلت انشده و یبکی حتی سمعت البکاء من الدار۔

قال : فقال : یا أبا عمارة من أنشد فی الحسین بن علی علیهما السلام شعراً فابکی خمسین فله الجنة، ومن أنشد فی الحسین علیه السلام شعراً فابکی ثلاثین فله الجنة، ومن أنشد فی الحسین علیه السلام شعراً فابکی عشرین فله الجنة، ومن أنشد فی الحسین علیه السلام شعراً فابکی عشرة فله الجنة، ومن أنشد فی الحسین علیه السلام شعراً فأبکی واحداً فله الجنة، ومن أنشد فی الحسین علیه السلام شعراً فبکی فله الجنة، ومن أنشد فی الحسین علیه السلام شعراً فتباکی فله الجنة"

امالی شیخ صدوق میں روایت ہے ---- ابو عمارہ کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے مجھ سے فرمایا ---- ! اے ابو عمارہ حسینؑ کے بارے میں کچھ اشعار

پڑھو' چنانچہ میں نے اشعار پڑھے جنہیں سن کر امام رونے لگے' میں نے کچھ اور اشعار پڑھے تو امامؑ اور روئے' میں اسی طرح مسلسل شعر پڑھتا رہا اور امامؑ روتے رہے یہاں تک کہ گھر کے اندر سے بھی رونے کی آواز آنے لگی۔

پھر امامؑ نے فرمایا۔۔۔! اے ابو عمارہ' جو شخص بھی امام حسینؑ کی شان میں کچھ اشعار پڑھے جسے سن کر پچاس آدمی روئیں تو اس کے لئے جنت ہے' اور جو شخص امام حسینؑ کے بارے میں حزنیہ اشعار کہے جسے سن کر بیس آدمی روئیں تو اس کے لئے بھی جنت ہے اور جو شخص امام حسینؑ کے بارے میں اشعار کہے جسے سن کر دس آدمی روئیں تو اس کے لئے بھی جنت ہے اور اگر کوئی شخص امام حسینؑ کے بارے میں اشعار کہے جسے سن کر صرف ایک آدمی روئے تو اس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور اگر کوئی شخص امام حسینؑ کے بارے میں اشعار کہہ کر خود ہی روئے تو اس کے لئے بھی جنت ہے۔ اور اگر امام حسینؑ کی شان میں شعر کہے اور خود رونے والے کی صورت بنائے تو اس کے لئے بھی جنت ہے۔"

(عوالم جلد ۱۷- ص ۵۴۰- بحار الانوار- جلد ۴۴- ص ۲۸۲- ح ۱۵)

(۸) "قرب الاسناد : محمد بن عبد الحمید و عبد الصمد بن محمد' عن حنان' عن أبی عبد الله علیه السلام قال : زوروا الحسین علیه السلام ولا تجفوه' فأنه سید شباب الشهداء' و سید شباب اهل الجنة' و شبیه یحیی بن ذکریا' و علیهما بکت السماء والارض۔"

قرب الاسناد میں محمد بن عبد الحمید کی روایت ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا :

امام حسینؑ کی زیارت کے لئے جایا کرو' اس میں کوتاہی نہ کرنا۔ کیونکہ وہ تمام شہید جوانوں کے بھی سردار ہیں اور جنت کے تمام جوانوں کے بھی سردار ہیں اور جناب یحیٰی بن زکریا (نبی) کے مانند ہیں۔ کیونکہ ان دونوں پر آسمان و زمین نے گریہ کیا۔" (عوالم جلد ۱۷۔ ص ۳۶۰۔ بحار الانوار۔ جلد ۴۵۔ ص ۲۰۱)

"آخر میں ہم ائمہ معصومینؑ ہی سے مروی اس دعا پر اختتام کرتے ہیں کہ۔

خدایا!

ہمیں مظلومِ کربلا کی عظیم معیبت منانے پر اجرِ عظیم عنایت فرما اور ان کے ولیِ برحق حضرت امام مہدیؑ کی رکاب میں ظالمین سے انتقام لینے والوں میں شامل فرما۔ آمین ثم آمین۔"

مصادر و ماخذ

اس کتاب کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

قرآنِ کریم	
مفرداتِ راغب	راغب اصفہانی
لسان العرب	ابنِ منظور
تاج العروس	الزبیدی
قاموس القرآن	سید علی اکبر قرشی
فرہنگِ معین	ڈاکٹر محمد معین
فرہنگِ معارفِ اسلامی	ڈاکٹر سید جعفر سجادی
تفسیرِ کاشف	محمد جواد مغنیہ
المعجم الفلسفی	ڈاکٹر جمیل صلیبہ
تفسیرِ نمونہ	زیرِ نظر آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی
تفسیر المیزان	علامہ محمد حسین طباطبائی
تفسیر المنار	مفتی محمد عبدہ

تفسیر مجمع البیان	طبرسی
الجامع الاحکام القرآن	قرطبی
الائمہ اثنا عشر	ہاشم معروف حسنی
عاشورا	محمد تقی مدرسی
نہضت الحسینؑ	ہبتہ الدین شہرستانی
شعائر الحسینیہ	سید محمود الغریفی
العواصم من القواصم	امام قاضی ابی بکر ابن العربی المالکی
خصائص الحسینیہ	شیخ جعفر شوستری
نفس المہموم	محدث قمی
تسلیہ اہل المصائب	محمد بن محمد المنبجی الحنبلی
حماسہ حسینیؑ	شہید مرتضیٰ مطہریؒ
حسینؑ شناسی	آیت اللہ محمد یزدی
مجالس الحسینیہ	شیخ عبد الوہاب الکاشی
مجالس السنیہ	سید محسن الامین
مجالس الفاخرہ فی ماتم العترۃ الطاہرہ	سید عبد الحسین شرف الدین
شہرِ حسین	محمد باقر مدرسی
حسینؑ کیست	فضل اللہ کمپانی
نہضت الحسینؑ	جلالی
عنوانِ امام حسینؑ	محمد صادق نجمی
تاریخچہ عزاداری	

عاشورا (مجموعہ خطابات)	علامہ شیخ مہدی شمس الدین
بلاغت الحسینؑ	
فی رحاب کربلا	شیخ حسین الکورانی
الماتم الحسینیہ	علی شحص
احسن العزاء	
قامعہ اہل الباطل بدفع شبہات الجادل	الشیخ علی بن عبداللہ بحرانی
الحوار السیاسی	فواد کاظم
سفینۂ نور	مجمعِ جہانی اہلِ بیتؑ (ایران)
مجلّہ الثقافۃ الاسلامیہ	رایزنی جمہوری اسلامی ایران دمشق
مجلّہ رسالۃ الحسینؑ	معہد دراسات الامام الحسینؑ (قم)
ہفت روزہ الجہاد (عربی)	صوت الحرکۃ الاسلامیہ عراق
مجلّہ الرصد	خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران (بیروت)
مجلّہ رسالۃ الثقلین (عربی)	مجمعِ جہانی اہلِ بیتؑ (ایران)
فردوس الاعلیٰ	علامہ محمد حسین کاشف الغطاء
موسوعہ العتبات المقدسہ	جعفر الخلیلی
تاریخِ شیعیانِ علیؑ	علی حسین رضوی
الکنیٰ والالقاب	محدث قمی
عوالم العلوم	شیخ عبداللہ البحرانی
آئینِ سخنوری	علی باشا صالح
آدابِ سخنوری	محمد تقی فلسفی

اصول و مبادیٔ عنوری	محمد باقر شریفی سبزواری
عاشورا الشہداو حرکۃ الانبیاء	محمد تقی مدرسی
حماسہ و عرفان	آیت اللہ جوادی آملی
فکرِ حسینؑ کی الف ب	محمد رضا صالحی کرمانی
المواکب الحسینیہ مدارس و معسکرات	ابوالحسن النقوی

---☆---☆---

NAJAFI BOOK LIBRARY

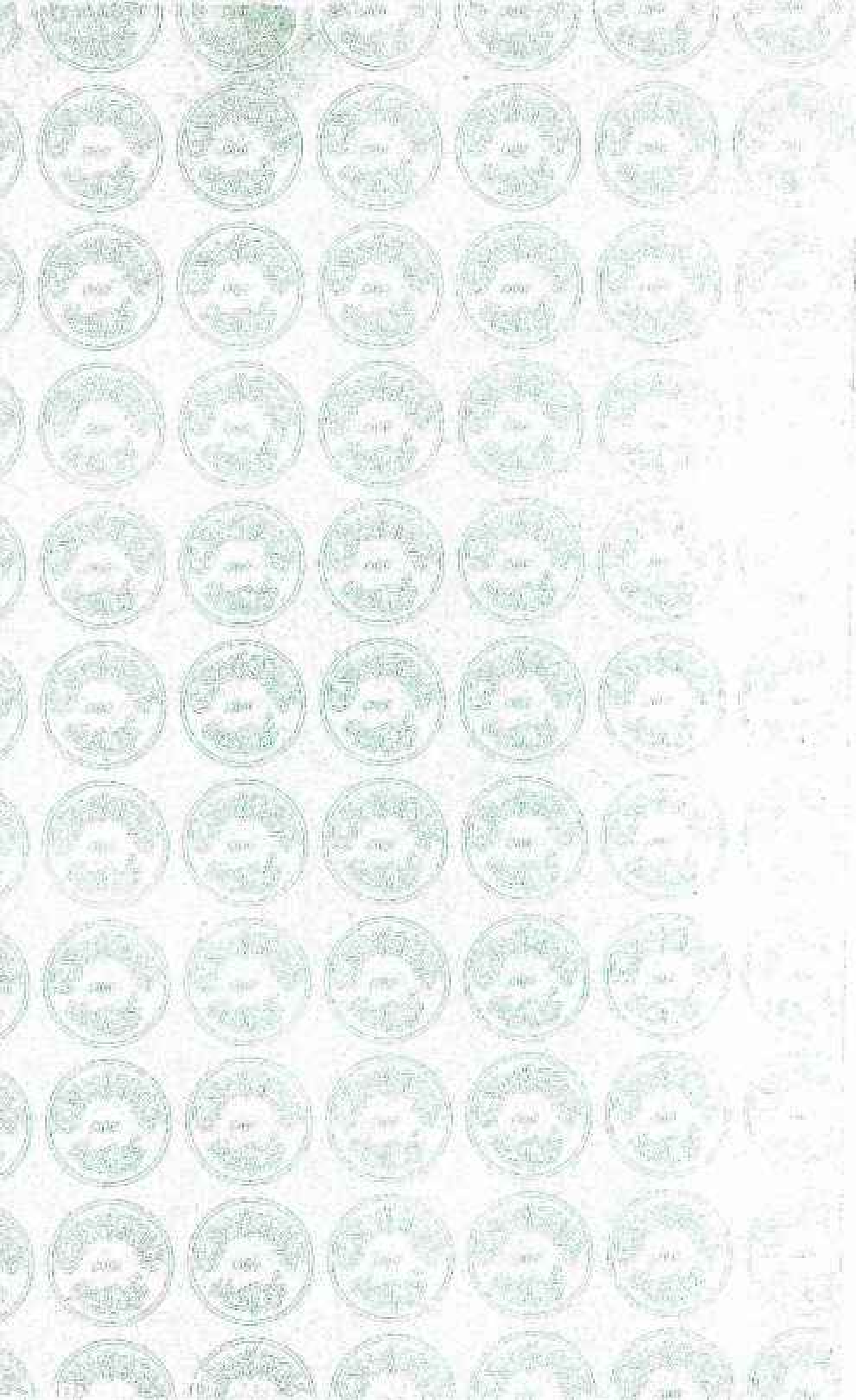

مروجہ مصائب امام حسینؑ پر ایک تحقیقی کاوش
انتخاب مصائب۔ ترجیحات۔ ترمیمات

تالیف: سید علی شرف الدین موسوی

حضرت امام حسینؑ اور آپکے اہلبیت اطہارؑ اور یاران باوفا پر میدان کربلا کے ریگزار پر اور پھر کوفہ وشام کے بازاروں اور درباروں میں جو بے پناہ مصائب وآلام کے پہاڑ توڑے گئے' صد افسوس کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ مفاد پرستوں نے ان مصائب کی ترجیحات کو بدل ڈالا اور اس میں اپنی مرضی کی ترمیمات داخل کر کے اسکے روشن چہرے کو گرد آلود کر دیا۔ "انتخاب مصائب" اس عظیم سانحہ کے چہرے سے زمانہ کی گرد کو صاف کر کے اسکا شفاف چہرہ عزاداران امام حسینؑ کی خدمت میں پیش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس کتاب میں امام حسینؑ اور آپکے رفقاء پر پڑنے والے مصائب کو ان کی صحیح صحیح ترجیحات کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔

معرکہ کربلا میں امام حسینؑ اور آپؑ کے اہل بیتؑ واصحاب پر جو مصائب گزرے ہیں وہ اپنی نوعیت' کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے فرق رکھتے ہیں۔ بعض ذوات ایسی ہیں جن پر نسبتاً کم مصیبتیں پڑی ہیں بعض نے ان سے کچھ زیادہ مصیبتیں دیکھی ہیں جب کہ کچھ شخصیات وہ ہیں جو کہ تمام مصائب میں شریک نظر آتی ہیں۔

مصیبت میں کمیت وکیفیت کے فرق کی طرح اس کی اہمیت وعظمت کو جانچنے کی کسوٹی اور معیار میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ بعض افراد حیات مادی ودنیوی کی ضروریات ولوازم سے محرومیت ہی کو ایک بڑی مصیبت سمجھتے ہیں جبکہ بعض اسے عالم معنویت' انسانیت اور شریعت کے زاویے سے پرکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر بعض افراد کے نزدیک جناب زہراؑ کی اصل مصیبت' عظیم المرتبت باپ سے آپ کی جدائی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ نہیں بلکہ آپ کی اصل مصیبت فدک اور خمس سے محرومیت ہے' خود جناب زہراؑ نے خلافت سے علیؑ کی محرومیت کو اصل مصیبت قرار دیا ہے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ واقعہ کربلا میں تمام مصیبتوں کا مرکز امام حسینؑ کی ذات والا صفات رہی ہے۔ چنانچہ خود آپ نے اپنی زبان مبارک سے اپنے اوپر گزرنے والی دلسوز مصیبتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ آپکے بعد آنے والے آئمہ طاہرینؑ نے بھی آپ ہی کو تمام مصیبتوں کا مرکز قرار دیا ہے۔ لیکن وائے ہو ان تاجران اور سوداگران مصائب امام حسینؑ پر' جنہوں نے مولا کی جگہ غلام' سیدانی کی جگہ کنیزوں' امامؑ کی جگہ امام زادوں کی مصیبتوں کی داستانوں کو بنیادی اور ترجیحی مصائب میں بطور ترمیم داخل کیا ہے۔

"انتخاب مصائب" میں انہی تلخ حقائق کے پیش نظر ایک سرسری جائزہ لینے کی کوشش کی گئی ہے کہ امامؑ کی مصیبت میں اصل ترجیحات کیا ہیں اور لوگوں نے اس میں کیا کیا ترمیمات داخل کی ہیں۔